قرآن کریم اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

# بینات


جلد: ۷۹ شمارہ: ۲

صفر المظفر: ۱۴۳۷ھ - دسمبر: ۲۰۱۵ء

قیمت فی شمارہ: ۳۰ روپے، زرِ سالانہ: ۳۵۰ روپے



مدیر / مدیر مسئول

مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر

نائب مدیر

مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مدیر معاون

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

ناظم

مولانا فضل حق یوسفی



**خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ**

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی 74800، پوسٹ بکس نمبر 3465
فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

**اکاؤنٹ نمبر**

اکاؤنٹ نمبر: 7-397-101900 برانچ کوڈ: 0816
مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی 74800

**بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک**

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ، ناروے، ویسٹ
انڈیز وغیرہ: 35 امریکی ڈالر
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان، ایران، انڈیا
وغیرہ: 27 امریکی ڈالر
بنگلہ دیش: 25 امریکی ڈالر



جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

**فون:** 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147

**فیکس:** +92-21-34919531

***Web***: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk



**ناشر:** مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر **مطبع:** ایجوکیشنل پریس **طابع:** فیروز زکی



www.banuri.edu.pk

# فہرستِ مضامین

## بصائر و عبر


| | | |
|---|---|---|
| شیخ الحدیث ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت | ۳ | محمد اعجاز مصطفیٰ |


## مقالات و مضامین


| | | |
|---|---|---|
| تفسیر قرآن کے آداب | ۱۰ | حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ |
| جاوید احمد غامدی، سیاق وسباق کے آئینہ میں (قسط:۱۳) | ۲۱ | مولانا فضل محمد یوسف زئی |
| جانوروں کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کریمانہ برتاؤ | ۳۱ | مولانا رفیع الدین حنیف قاسمی |
| حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ....افادات | ۳۷ | مولانا عبید انور شاہ قیصر |
| وَقتِ دُعا ہے! | ۴۵ | مولانا محمد شفیع چترالی |
| دردی الخمر (tartaric acid) اور مردار کی ہڈی کا حکم | ۴۸ | مفتی شعیب عالم |
| ’’ کتاب الرد علی سیر الأوزاعی ‘‘ | ۵۰ | مولانا محمد فرحان صدیقی نگرنہسوی |
| نسلِ نو پر مغربی تعلیم کے اثرات کا طائرانہ جائزہ (قسط:۱) | ۵۳ | پروفیسر خالد جامعی |


## یادِ رفتگاں


| | | |
|---|---|---|
| حضرت مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ | ۶۰ | محمد اعجاز مصطفیٰ |


## دار الافتاء


| | | |
|---|---|---|
| ٹیلی نار کمپنی کی طرف سے اکاؤنٹ ہولڈر کو دی گئی سہولت | ۶۴ | ادارہ |


www.banuri.edu.pk

# شیخ الحدیث ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

**الحمد للّٰہ وسلامٌ علٰی عبادہٖ الذین اصطفٰی**

شیخ الحدیث ، بزرگ عالم دین ، روحانی شخصیت ، عظیم مدبر ، مفسر ، عالمی اسکالر ، جہادِ افغانستان کے روحِ رواں ، مجاہدین افغانستان کے سرپرست و عظیم راہنما ، اکابر واسلاف کی روایات کے امین ، تواضع وانکسار کے پیکر ، حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ و بااعتماد رفیق ، مدینہ یونیورسٹی کے فاضل ، استاذ العلماء حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب ، چند دن علیل رہنے کے بعد رحمٰن میڈیکل انسٹی ٹیوٹ پشاور میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے ، إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون ، إن للّٰہ ما أخذ ولہٗ ماأعطٰی وکل شیء عندہٗ بأجل مسمّٰی۔

بلاشبہ یہ اسلام کا اعجاز ہے کہ اسلام کے ہر دور میں علم وتحقیق کے آفتاب وماہتاب چمکتے رہے اور اسلام کی زرخیز زمین میں ایسی ہستیاں نمودار ہوتی رہیں ، جن سے علوم ومعارف کے جواہرامت کو ملتے رہے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں صرف متحدہ ہندوستان کی سرزمین نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بحر العلوم جامع کمالات اور علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہر پیدا کرکے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ اس آخری دور میں دیوبند ، سہارن پور ، گنگوہ ، نانوتہ ، تھانہ بھون ، دہلی میں کیسی کیسی ہستیاں ظہور میں آئیں ، جن کی نظیر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی اور اس کے بعد ہمارے ملک پاکستان کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسی علمی ہستیوں سے نوازا تھا ، جن کے لیے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ وہ جبال العلم والعمل تھیں ، جیسے : محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ ، حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ، حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ ،

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع سرگودھویؒ، حضرت مولانا مفتی محمودؒ، حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ، حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ خان محمدؒ، حضرت مولانا عبدالستار تونسوی نوراللہ مراقدہم جن میں سے ہرایک پوری جماعت کا کام کرتا نظر آتا تھا، جن کے اخلاص وتقویٰ اورعلوم نبوت میں کمال کو دیکھ کر قرونِ اولیٰ کا شبہ ہونے لگتا ہے، آج ان کے علوم وحقائق اور علمی خصائص وکمالات کو سمجھنے والے بھی خال خال رہے، اور جو حضرات ان اکابر کے علوم وفنون کو سمجھنے والے تھے وہ یکے بعد دیگرے اس دنیا سے رخصت ہورہے ہیں۔ اس پرآشوب اور قحط الرجال کے زمانہ میں ایسی باخدا ہستیاں، عالم باعمل، جامع العلم، ماہرالفنون، حق تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے جفاکش، محنت وعرق ریزی کے ساتھ علوم دینیہ کی خدمت کرنے والے کہاں سے آئیں گے، نہ مال کی محبت نہ جان کی رغبت، نہ وجاہت کی خواہش، صرف علوم دینیہ کی خدمت زندگی کا مقصد ہو، ایسے بزرگ اب کہاں؟!

ایسے خدا مست اور سرفروش علمائے کرام کے دنیا سے اُٹھ جانے کو حضور اکرم ﷺ نے قیامت کی علامات میں سے شمار کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

**’’إن من أشراط الساعة أن يرفع العلم ويكثر الجهل ويكثر الزنا ويكثر شرب الخمر ويقل الرجال ويكثر النساء حتى يكون لخمسين امرأة القيم الواحد۔‘‘** (مشکوۃ،ص:۴۶۹)

’’قیامت کی علامات میں سے ہے کہ علم اُٹھ جائے گا اور جہالت بڑھ جائے گی، زنا کی کثرت ہوگی، شراب پینے میں زیادتی ہوگی، مرد کم ہوجائیں گے، عورتیں زیادہ ہوجائیں گی، یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا ایک ہی ذمہ دار ہوگا۔‘‘

دوسری حدیث جس کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا:

۲: **’’إن اللّٰه لايقبض العلم انتزاعًا ينتزعهٗ من قلوب العباد ولكن يقبضهٗ بقبض العلماء، حتّٰى إذا لم يبق عالمًا اتخذ الناس رؤسًا جهّالًا فسئلوا فأفتوا بغير علم فضلوا وأضلوا۔‘‘** (مشکوۃ،ص:۳۳)

ترجمہ: ’’بے شک اللہ تعالیٰ اس علم کو اس طرح قبض نہیں کرے گا کہ بندوں کے سینوں سے چھین لے، بلکہ قبض علم کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ علماء کو اٹھاتا رہے گا، یہاں تک کہ جب ایک عالم بھی باقی نہیں چھوڑے گا تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے، ان سے سوالات کیے جائیں گے، وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔‘‘

موجودہ دور میں جب کہ علماء ربانی اور صلحائے امت یکے بعد دیگرے اُٹھتے جارہے ہیں، آنحضرت ﷺ کی بیان فرمودہ علاماتِ قیامت روزِ روشن کی طرح بالکل واضح ہوکر سامنے آرہی ہیں، ان چندسالوں میں صرف پاکستان کی حدتک کتنا علمی شخصیات کس قدر تیزی سے ہم سے رخصت ہوگئی ہیں، ان اکابر کا اس تیزی سے ہمارے درمیان سے اُٹھ جانا اور دنیا کا اہل علم سے خالی ہوجانا

کسی طوفان بلاخیز کا پیش خیمہ معلوم ہوتا ہے، اس لیے ہمیں توبہ، انابت، رجوع الی اللہ اور اصلاحِ اعمال کی طرف متوجہ ہوکر اپنی بداعمالیوں پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا چاہیے۔

حضرت مولانا شیر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی کے بارہ میں حضرت مولانا عرفان الحق صاحب کی تحریر سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

''۱۱؍شعبان ۱۳۴۹ھ، ۱۹۳۰ء میں مولانا قدرت شاہ کے ہاں اکوڑہ خٹک میں پیدا ہوئے، فقہ اور فارسی نظم کی کتابیں اپنے والد صاحب سے پڑھیں، نظم فارسی کی چند کتابوں میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحبؒ المعروف بہ ''قصابانو حاجی صاحب'' سے استفادہ کیا، یہ بزرگ فارسی، عربی اور ترکی تینوں زبانوں کے ماہر تھے اور کئی سال تک بغداد میں حضرت الشیخ گیلانیؒ کے نواسوں کو ابتدائی کتابیں پڑھا چکے تھے۔ شیخ الجامعہ پیر کرم شاہ المعروف باچا گل صاحب سے بھی کچھ اسباق پڑھے۔ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ سے بھی اس وقت کچھ کتابیں پڑھیں جب وہ شعبان ۱۳۶۶ھ میں دیوبند سے تعطیلات گزارنے اپنے گھر آئے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد جب بعض طلبہ ان سے پڑھنے کے لیے اکوڑہ خٹک آئے اور دارالعلوم حقانیہ معرض وجود میں آیا تو پھر باقاعدہ تمام کتابیں دارالعلوم حقانیہ ہی میں مختلف اساتذہ سے پڑھیں، گویا آپ دارالعلوم حقانیہ کے ابتدائی طالب علموں میں سے ہیں۔

۱۳۷۳ھ میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب سے دورۂ حدیث پڑھا، دورۂ حدیث کے سال کے امتحان میں اول پوزیشن حاصل کی، فراغت کے بعد تقریباً تین ماہ آپ نے جامعہ اشرفیہ لاہور کے اساتذہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ (بانی و مہتمم) اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا۔ فراغت کے بعد ۱۱؍شوال ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۳؍اپریل ۱۹۵۴ء کو دارالعلوم حقانیہ میں ۳۰؍روپیہ مشاہرہ کے ساتھ تدریس شروع کی۔ ترجمہ وتفسیر آپ نے ۱۳۷۸ھ میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی، پھر ۱۳۸۲ھ میں استاذ العلماء حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا اور سند حاصل کی۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ سے بھی تفسیر پڑھی، دورانِ درس مشہور مناظر مولانا لال حسین اختر رحمۃ اللہ علیہ سے رد قادیانیت وملاحدہ وعیسائیت کے اسباق بھی لیے اور بعد میں اس قسم کے مختلف مناظروں میں شرکت بھی کی، جن میں کامیابی حاصل کی۔

۱۳۹۳ھ میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ لینے کے بعد عازم مدینہ ہوئے، وہاں پندرہ سولہ برس تک مختلف شعبہ جات میں استفادہ کرتے ہوئے ماسٹرز اور ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں نمایاں کامیابیوں سے حاصل کیں، اس دوران آپ نے مسجد نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا، فراغت کے بعد ۱۴۰۷ھ میں آپ کو جامعہ اسلامیہ مدینہ کی طرف سے دارالعلوم کراچی میں بطور استاذ تعینات کیا گیا، بعد میں آپ نے احسن العلوم اور منبع العلوم میران شاہ میں بھی تدریسی خدمات

انجام دیں۔شوال ۱۴۱۷ھ کو شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہٗ کی علالت وفالج کے بعد دارالعلوم حقانیہ میں مولانا سمیع الحق صاحب کی کوششوں سے سعودی حکومت کی طرف سے تعیناتی ہوئی۔آپ کی تصنیفات میں ’’**مکانة الحیة فی الإسلام، تفسیر الحسن البصری، زبدة القرآن، حول حرکة طالبان، زادا لمنتهی شرح ترمذی، تفسیر سورة الکهف**‘‘وغیرہ عربی میں ہیں۔ تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں ۱۹۷۷ء میں دو ماہ تک پابند سلاسل بھی رہے۔‘‘

..........................................

حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب آنکھوں کے آپریشن کے سلسلہ میں کراچی تشریف لائے ہوئے تھے، آپ کو معلوم ہوا کہ آج عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی قدس سرہٗ کی علمی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے گل بہار لان میں ایک سیمینار منعقد ہورہا ہے تو آپ اس میں تشریف لائے اور سامعین سے پرمغز اور پراثر خطاب بھی فرمایا، قارئین بینات کے افادہ کے لیے اسے یہاں نقل کیا جاتا ہے، آپ نے فرمایا:

’’میں مدینہ منورہ میں تھا، چھٹیوں میں یہاں آیا ہوا تھا، قاری سعید الرحمٰنؒ کی ملاقات کے لیے راولپنڈی گیا تو قاری صاحبؒ نے بتایا کہ آج حضرت بنوریؒ ختم نبوت کے اجلاس میں شرکت کے لیے تشریف لارہے ہیں۔ہم ایئرپورٹ گئے، حضرت تشریف لائے، گاڑی میں سوار تھے۔حضرت نے قاری صاحب کو کہا کہ قاری صاحب! ہوٹل میں اچھے اچھے کمرے لیں اور جو بھی مہمان آئیں ان کے لیے بہترین کھانا اور چائے کا انتظام کریں، تاکہ قادیانی یہ نہ کہیں کہ گویا خادمانِ محمد مصطفیٰ (ﷺ) کے پاس دولت نہیں ہے۔انہوں نے وہاں ناشتہ کیا، پھر حضرت بنوریؒ نے کہا: مجھے سعودی سفارت خانہ جانا ہے، میں اور قاری صاحب حضرت بنوریؒ کے ساتھ گئے۔ان دنوں سفارت خانے میں ریاض الخطیب سفیر تھے، انہوں نے بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ خیرمقدم کیا۔ بیٹھے تو شعروشاعری شروع ہوگئی، عربی اشعار اور عرب کے شعراء کا تذکرہ ہونے لگا، فلاں شاعر نے یہ کہا ہے، فلاں نے یہ کہا ہے۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا ادبی مزاج تو بہت اونچا تھا، کافی دیر تک اس پر باتیں ہوتی رہیں، پھر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ واقعی ان اشعار میں اور اس گفتگو میں تو لذت ہے، لیکن میں ایک اہم کام کے لیے آیا ہوں، ریاض الخطیب متوجہ ہوئے، فرمایا: آپ کو معلوم ہے کہ یہاں ختم نبوت کا مسئلہ ہے؟ میں نے تمام دُوَلِ اسلامیہ کے سربراہوں کو خطوط لکھے ہیں، یہاں سے اگر میں بھیجوں گا تمام سنسر ہوجائیں گے، یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ اس کو کسی طریقے سے سعودیہ سے ان تمام بادشاہوں کے نام ارسال کریں اور خاص کر شاہ فیصل (مرحوم) کو اس بات پر متوجہ کریں کہ یہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں ہے، ختم نبوت کا مسئلہ ایک بنیادی مسئلہ ہے، تاکہ وہ بھٹو (ذوالفقار علی بھٹو مرحوم) پر زور دیں کہ لازماً اس گمراہ طائفہ کے بارے میں وہ فیصلہ دے کہ ’’یہ مرتد اور کافر ہیں۔‘‘ انہوں

نے کہا کہ یہ میری ذمہ داری ہے، کل میں ویسے بھی جا رہا ہوں، یہ سب خطوط وہاں سے میں ان شاء اللہ! بھیج دوں گا اور شاہ فیصل کو اس بارے میں متوجہ کروں گا۔ تو میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ ہمارے اکابر نے اس مسئلے کو بہت اہمیت دی ہے، یہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں ہے۔

امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا راولپنڈی میں اِسی موضوع پر جلسہ تھا، ہم شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسے میں پڑھتے تھے۔ مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ نے درس میں کہا کہ احراریوں سے مجھے محبت نہیں ہے، یہ توحید بیان نہیں کرتے، ان کا عجیب مزاج تھا۔ طلبا بھی عجیب ہیں، شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک طالب علم نے یہ بات پہنچائی کہ آج تو مولانا بڑے غصے میں تھے کہ احراریوں سے مجھے محبت نہیں ہے، یہ توحید بیان نہیں کرتے۔

عظیم الشان جلسہ تھا، ان دنوں اس جگہ کو کمپنی باغ کہتے تھے، اب تو اس کو لیاقت باغ کہتے ہیں، کیونکہ لیاقت علی خان کی شہادت وہاں ہوئی ہے۔ جلسہ شروع ہوا اور مولانا عبدالمنان ہزارویؒ جو جمعیت علماء ہند کے ناظم رہ چکے تھے، وہ موسیٰ منڈی میں خطیب تھے، وہ اسٹیج سیکریٹری تھے۔ انہوں نے مجلس احرار اسلام کی تمام قربانیاں بیان کیں کہ اس مجلس نے یہ کام کیا، یہ کیا، یہ کیا! پھر کچھ نظمیں سنائی گئیں، پھر شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کا اعلان ہوا، اسٹیج پر بڑے بڑے علماء جلوہ افروز تھے۔ شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے ''یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ'' (البقرۃ:۲۱) پر تقریر شروع کی، ڈھائی گھنٹے توحید پر بولتے رہے۔

پھر درمیان میں لوگوں سے پوچھنے لگے: جو اللہ کے سوا غیروں سے مانگتا ہے، غیروں کو نذر و نیاز دیتا ہے، وہ کیسا ہے؟ سب نے کہا کہ کافر و مشرک۔ شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ بڑے غصہ ہوئے کہ خاموش ہو جاؤ، سب مفتی کے بچے بن گئے ہو۔ اسٹیج پر مولانا عزیز الدین بھی جلوہ افروز تھے جو شاہ انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے تھے اور شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم درس رہ چکے تھے، ان کو مخاطب ہو کر کہنے لگے: خطیب صاحب! آپ بتائیں! انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ جو اللہ کے سوا غیروں سے مانگتا ہے، غیروں کو نذر و نیاز (دیتا ہے) وہ کافر اور مشرک ہے تو شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: مفتی صاحب! آپ نے بھی حرام کی روٹیاں کھائی ہیں! پھر مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی طرف متوجہ ہوئے کہ آپ بتائیں؟ انہوں نے بھی کہا کہ کافر و مشرک ہے۔ شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ بھی ہم درس رہ چکے تھے اور دونوں کے درمیان بہت زیادہ محبت اور شفقت تھی، شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کہا: مولانا! آپ نے کفر و شرک کے علاوہ بھی کوئی مسئلہ سیکھا ہے؟ ان کو بھی خاموش کر دیا! سب لوگ حیران کہ شاہ جی کیا کہہ رہے ہیں؟ شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے تین چار منٹ کی خاموشی کے بعد ''إن شر الدّواب الخ'' (الانفال:۵۵) کی آیت پڑھی (اور فرمایا): جو اللہ کے سوا غیروں سے مانگتا ہے، غیروں کو نذر و نیاز (دیتا ہے) وہ سور ابن سور، خنزیر ابن خنزیر ہے، تم اس کو کافر و مشرک کہہ کے انسانیت کے دائرے میں لے آتے ہو، اللہ نے ان کو انسانیت کے دائرے سے نکالا ہے۔ یہ جدا بات ہے کہ ہم

نے مسئلہ ختم نبوت کو اس لیے ترجیح دی ہے کہ یہ فتنہ (فتنۂ قادیانیت) استعماری طاقت کی پشت پناہی لیے ہوئے پھیل رہا ہے۔ ہم الحمدللہ! توحید (بھی بیان کرتے ہیں) لیکن اس مسئلے کو مجلس احرار اسلام نے اس لیے ترجیح دی ہے کہ یہ معمولی مسئلہ نہیں ہے۔ ہم اتنے نکمے نہیں ہیں کہ ہم مسئلہ نہیں جانتے، لیکن یہ ایک بہت حساس موضوع ہے کہ علماء اگر خاموش رہیں پھر تمہاری یہ مساجد، تمہاری یہ خطابتیں، تمہاری یہ سب چیزیں ختم ہوجائیں گی، یہ کوئی معمولی مسئلہ ہے؟؟ یہ تو حد درجہ انتہائی بنیادی مسئلہ ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے اس لیے ''لانبی بعدی'' فرمایا ''لا'' کی تلوار کو لے لو اور ان سب گمراہوں کے سروں کو قلم کردو۔ ''لا'' لنفی الجنس ہے، یہ جب بھی کسی چیز پر داخل ہوجاتا ہے اس کو بیخ وبُن سے اکھاڑ دیتا ہے، نہ کوئی ظلی رہتا ہے نہ کوئی بروزی، ''لا نبی بعدی'' دیگر مسائل میں تم سے سیکھوں گا، لیکن ''لا'' کا مسئلہ مجھ سے سیکھو۔ یہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں ہے، لما نزلت هذه الأية الكريمة:

''مَاكَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ۔'' (الاحزاب:۴۰)

''محمد باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے لیکن رسول ہے اللہ کا اور مہر سب نبیوں پر۔''

''قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ''أنا خاتم النبیین لا نبی بعدی'' وفی روایة: ''لا رسول بعدی'' وفی روایة: ''لا أمة بعدی۔'' (الحدیث)

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں تمام نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور ایک روایت میں ہے: میرے بعد کوئی رسول نہیں اور ایک روایت میں ہے کہ: میرے بعد کوئی امت نہیں۔''

اللہ اکبر! ان لوگوں نے اپنی زندگیاں اس مسئلہ کے لیے وقف کی تھیں۔ مجلس احرار اسلام نے جو عظیم خدمات سرانجام دی ہیں، یہ ان بزرگوں کی قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ لوگوں نے سمجھ لیا۔ علماء تو پہلے ہی سے اس فتنے کو عظیم فتنہ سمجھتے تھے اور قادیانیوں کو مرتد اور کافر کہتے تھے، لیکن عام مسلمان ان کو کافر نہیں کہتے تھے۔ جب حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اور علماء کرام نے تحریک چلائی اور حکومت نے بھی تسلیم کیا تو ان کو ۷/ستمبر ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی نے کافر قرار دیا۔ کئی ساتھی ہمیں کہنے لگے: اچھا! یہ کافر تھے؟ ہم نے کہا: علماء نے تو پہلے سے کہا ہے، لیکن تم حکومت کے غلام ہو۔ بہرحال! یہ معمولی مسئلہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان اکابر اسلاف کی زندگیوں میں برکت عطا فرمائے۔ (آمین) ایسے اہم مسئلہ کو تمام مسائل پر ترجیح دینی چاہیے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کے اخیر میں ''کتاب التوحید'' میں ان فرق باطلہ کے بارے میں تصریح فرمائی ہے اور یہ مسائل اس لیے لے آئے ہیں کہ ایک عالم کا فریضہ ہے کہ وہ فرق باطلہ کے بارے میں واشگاف الفاظ میں لوگوں کو باقاعدہ بتایا کرے کہ مرتدین، معتزلین، خوارج اور روافض کتنے باطل فرقے ہیں! ایک عالم کا فریضہ ہے کہ فضائل بھی بیان کرے، لیکن سب سے بنیادی بات کہ فرق باطلہ کی وضاحت ہونی چاہیے۔ عام لوگوں کے سامنے ان فرق باطلہ کی پوری تصریحات کرنی چاہئیں۔

میں زیادہ تقریر کرنے کے قابل نہیں ہوں، بیمار ہوں، لیکن اس کو میں اپنے لیے سعادت سمجھتا ہوں کہ ایسے اجلاس میں شرکت، یہ بھی ان شاء اللہ العزیز! سعادت دارین کا باعث ہوگا۔ بڑے بڑے علماء آئے ہوئے ہیں، میں انہی کلمات پر اکتفا کرتا ہوں۔ **وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین۔**‘‘

حضرت ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارہ میں لکھا ہے کہ آخری دن جب آپ ہسپتال میں تھے جمعہ کا وقت ہوا تو آپ نے اپنے خدام سے فرمایا: میں نے جمعہ کی نماز مسجد میں پڑھنی ہے، خدام اور ڈاکٹروں نے بہت منع کیا کہ آپ کی جسمانی حالت ایسی نہیں ہے کہ آپ مسجد جاسکیں، لیکن آپ نے فرمایا کہ: نہیں میں مسجد جاؤں گا، چنانچہ آپؒ نے اپنی وفات سے بمشکل ایک ڈیڑھ گھنٹہ پہلے مسجد میں نمازِ جمعہ باجماعت ادا کی اور تھوڑی ہی دیر بعد خالق حقیقی سے جاملے، یہ وہ حضرات ہیں جن کے بارہ میں صادق آتا ہے ’’**عاش سعیدا ومات سعیدا**‘‘ دنیا میں رہتے ہوئے جن کی ایک نماز بھی فوت نہ ہوئی اور آخری وقت بھی نماز باجماعت کا اہتمام ہو تو کیوں نہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے ایسے بندوں کی وجہ سے فرشتوں پر فخر فرمائیں کہ دیکھو! میرے یہ وہ بندے ہیں جن کی تخلیق پر تم نے اعتراض کیا تھا۔ آپ کا وصال جمعہ کے دن سوا تین بجے ہوا، دوسرے دن ہفتہ کو ساڑھے گیارہ بجے آپ کی نمازِ جنازہ ہوئی، نمازِ جنازہ آپ کے بیٹے نے پڑھائی، جس میں عینی شاہدین کے مطابق تین لاکھ سے زیادہ مجمع تھا۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی طرف سے استاذ الحدیث حضرت مولانا فضل محمد صاحب اور جامعہ کے ناظم تعلیمات واستاذ الحدیث حضرت مولانا امداد اللہ صاحب آپ کی نمازِ جنازہ میں شریک ہوئے اور جامعہ کی نمائندگی کی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت مولانا موصوف کی جملہ حسنات کو قبول فرمائے اور جنت الفردوس کا مکین بنائے، باتوفیق قارئین بینات سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

**وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین**

# تفسیر قرآن کے آداب

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ

www.banuri.edu.pk

## تفسیر وتاویل کا مفہوم

تفسیر کے معنی ہیں: ’’کسی چیز کا کھولنا، ظاہر کرنا، بیان کرنا۔‘‘ اور اہل علم کی اصطلاح میں تفسیر قرآن کے معنی ہیں: ’’قرآن کریم کے معانی کو بیان کرنا اور مرادِ خداوندی کی تعیین کرنا۔‘‘

تاویل کے معنی ہیں: ’’پھیرنا، لوٹانا‘‘ اور اہل علم کی اصطلاح میں تاویل سے مراد ہے: ’’قرآن کریم کے الفاظ اور جملوں کو ان کی اصل مراد کی طرف لوٹانا۔‘‘

تفسیر وتاویل کے الفاظ عموماً ہم معنی استعمال کیے جاتے ہیں اور بعض اہل علم ان دونوں کے درمیان یہ فرق کرتے ہیں کہ تفسیر کا لفظ زیادہ تر مفرد الفاظ کی تشریح کے لیے استعمال ہوتا ہے اور تاویل کا لفظ جملوں کا مفہوم بیان کرنے کے لیے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: جس فقرے کا مفہوم قطعی طور پر متعین ہو اور اس میں کسی دوسرے مفہوم کی گنجائش نہ ہو ایسے مفہوم کو بیان کرنا تفسیر کہلاتا ہے اور جہاں متعدد معانی کا احتمال ہو وہاں غور وفکر کے بعد ایک پہلو کو متعین کرنے کا نام ’’تاویل‘‘ ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: جو مفہوم منقول ہو اس کا نام تفسیر ہے اور جو اجتہاد واستنباط سے تعلق رکھتا ہو اسے تاویل کہا جائے گا۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: الاتقان، نوع: ۷۷)

خلاصہ یہ کہ: ’’علم تفسیر اس علم کو کہتے ہیں جس میں قرآن کریم کے معنی بیان کیے جائیں اور اس کے احکام اور حکمتوں کو کھول کر واضح کیا جائے۔‘‘ (معارف القرآن، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، جلد اول، ص: ۴۹)

## ایک نازک ترین ذمہ داری

قرآن کریم کی تفسیر وتشریح ایک کٹھن کام اور نہایت نازک ترین ذمہ داری ہے، اس لیے کہ قرآن کریم حق تعالیٰ شانہٗ کا مقدس کلام ہے اور قرآن کریم کی تفسیر درحقیقت حق تعالیٰ شانہٗ کی ترجمانی کا نام ہے، جب ہم قرآن کریم کے کسی لفظ، کسی جملے یا کسی آیت کی تفسیر بیان کرتے ہیں تو

گویا ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے، اس طرح اپنے بیان کیے ہوئے مفہوم کو حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف منسوب کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ اس سلسلہ میں ذرا سی لغزش اور سہل انگاری افتراء علی اللہ کا موجب ہوسکتی ہے، افتراء علی اللہ نہایت سنگین جرم ہے، حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:

’’وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا أَوْ کَذَّبَ بِأٰیٰتِہٖ، إِنَّہٗ لَایُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ۔‘‘

ترجمہ: ’’اور اس سے زیادہ کون بے انصاف ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھوٹا بتلادے، ایسے بے انصافوں کی رستگاری نہ ہوگی۔‘‘ (ترجمہ حکیم الامت تھانویؒ)

سربراہانِ مملکت اور شاہانِ عالم کی ترجمانی کے فرائض ادا کرنا سب جانتے ہیں کہ کس قدر نازک ذمہ داری ہے اور جو شخص اس ذمہ داری پر فائز ہو اس کے لیے کیسی لیاقت ومہارت شرط ہے؟ شاہانہ رسوم وآداب اور زبان ومحاورات سے اس کا کس درجہ باخبر ہونا ضروری ہے، پھر ترجمانی کے فرائض ادا کرتے ہوئے اسے کس قدر حزم واحتیاط اور بیدار مغزی سے کام لینا چاہیے اور پھر دانستہ ونادانستہ غلط ترجمانی پر کس قدر عتابِ شاہی کا اندیشہ ہے، جب سلاطین دنیا کی ترجمانی اس قدر نازک کام ہے تو اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ شہنشاہِ مطلق، احکم الحاکمین کی ترجمانی کا کام کس قدر مشکل اور کتنا نازک ہوگا۔

قرآن کریم کی تفسیر اپنے اندر نزاکت کا ایک اور پہلو بھی رکھتی ہے اور وہ یہ کہ قرآن کریم ہی سے شاہراہِ انسانیت کی نشاندہی ہوتی ہے، اسی سے عقائد وعبادات کی مشکلیں متعین ہوتی ہیں، اسی سے معاملات ومعاشرت کی تشکیل ہوتی ہے، اسی سے حق تعالیٰ شانہٗ کی پسند وناپسند، جائز وناجائز اور حلال وحرام کی حدبندی ہوتی ہے، اسی سے اخلاقی قدریں وجود پذیر ہوتی ہیں، اسی سے انسانیت وعبدیت کے پیمانے ڈھلتے ہیں، اسی سے اسلام کا عالم گیر قانون وجود میں آتا ہے، الغرض دین ومذہب، عقائد واعمال، اخلاق ومعاشرت، سیاست وتمدن اور عدل وانصاف کے قانونی، اخلاقی اور انسانی پہلوؤں کا مدار قرآن کریم ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر وتشریح میں ذرا سی بے احتیاطی بھی کتنے ہولناک مفاسد کا سبب بن سکتی ہے؟ اور ایسے بے احتیاط مفسر اور اس پر اعتماد کرنے والے کے حق میں شدید خطرہ ہے کہ یہ کتابِ ہدایت ’’یَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا‘‘ کے بجائے ’’یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا‘‘ کا منظر پیش کرے۔

## تفسیر قرآن میں سلف صالحین کی احتیاط وَرزی

تفسیر قرآن کی اسی عظمت ونزاکت کے پیش نظر بہت سے سلف صالحین صحابہؓ وتابعینؒ تفسیر کے باب میں لب کشائی سے گریز کرتے تھے، چنانچہ جماعتِ صحابہؓ کے گل سرسبد اور انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد انسانیت کے سب سے افضل ترین شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے قرآن کریم کے کسی لفظ کے معنی دریافت کیے گئے تو فرمایا:

’’أی أرض تقلّنی وأی سماء تظلنی إذا قلتُ فی کتاب اللّٰہ ما لا أعلم‘‘ (تفسیر ابن کثیر، ج:۱،ص:۵)

اور سید التابعین حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب ان سے قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا جاتا تو فرماتے: ’’إنا لانقول فی القرآن شیئًا‘‘ (تفسیر ابن کثیر، ج:۱،ص:۶) یعنی ’’ہم قرآن کریم کی تفسیر میں کچھ نہیں کہا کرتے تھے۔‘‘

یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ قرآن کریم کی صرف انہی آیات میں لب کشائی کرتے تھے جن کا مفہوم قطعی طور پر معلوم ہوتا تھا۔ یزید بن ابی یزید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ سے حلال وحرام اور جائز وناجائز کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو معلوم ہوتا کہ یہ دنیا کے سب سے بڑے عالم ہیں، لیکن جب ہم ان سے قرآن کریم کی کسی آیت کے بارے میں سوال کرتے تو ایسے خاموش ہوجاتے گویا انہوں نے سنا ہی نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ’’اعلم الصحابہؓ‘‘ ہیں اور حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ ’’اعلم التابعین‘‘ ہیں، لیکن علم وفضل، دانش وبصیرت، تقویٰ وطہارت اور نورِ قلب میں بلند مرتبہ پر فائز ہونے کے باوجود وہ قرآن کریم میں لب کشائی سے گریز کرتے ہیں، کیونکہ وہ اس کی نزاکت سے باخبر ہیں اور جانتے ہیں کہ تفسیر میں معمولی بے احتیاطی کا وبال کتنا سنگین ہے۔

**شرائطِ مفسر**

قرآن کریم کی تفسیر کے لیے کسی لیاقت درکار ہے اور ایک مفسر قرآن میں کن اوصاف وشرائط کا پایا جانا ضروری ہے؟

علمائے امت نے اس پر تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے، حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی:۹۱۱ھ) نے ’’الاتقان‘‘ کی ۷۸ویں نوع میں اس کا خلاصہ درج کردیا ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: بعض اہل علم تو اس کے قائل ہیں کہ کسی شخص کے لیے خواہ وہ کیسا عالم وفاضل ہو قرآن کریم کی تفسیر جائز ہی نہیں، بلکہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اسی پر بس کرنا ضروری ہے۔ (مگر یہ قول عامہ علماء کے نزدیک صحیح نہیں، ناقل)

اور علماء کی ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ جو شخص ان علوم میں مہارت رکھتا ہو، جو تفسیر کے لیے ضروری ہیں اس کے لیے قرآن کریم کی تفسیر جائز ہے اور یہ مندرجہ ذیل پندرہ علوم ہیں:

۱:.....علم لغت، ۲:.....علم صرف، ۳:.....علم نحو، ۴:.....علم اشتقاق، ۵:.....علم معانی، ۶:.....علم بیان، ۷:.....علم بدیع، ۸:.....علم قراءات، ۹:.....علم اصول الدین، ۱۰:.....علم اصول فقہ، ۱۱:.....علم اسباب النزول، ۱۲:.....علم ناسخ ومنسوخ، ۱۳:.....علم فقہ، ۱۴:.....علم حدیث، ۱۵:.....نورِ بصیرت اور وہبی علم۔

## تفسیر کے آداب

**اول:.....** تفسیر کے مأخذ میں سب سے پہلا مأخذ قرآن کریم ہے، اس لیے مفسر کا فرض ہے کہ وہ کسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اس کے سیاق وسباق کے ساتھ ساتھ اس مضمون کی دوسری آیات کو بھی پیش نظر رکھے، کیونکہ قرآن کریم میں ایک ہی مضمون کو مختلف انداز وعنوان سے بیان کیا جاتا ہے، ایک مضمون ایک جگہ مجمل ہوگا تو دوسری جگہ مفصل، ایک جگہ مختصر ہوگا تو دوسری جگہ مطوّل، ایک جگہ مطلق ہوگا تو دوسری جگہ مقیّد، پس قرآن کریم کی کسی آیت سے ایسا مفہوم کشید کرنا جائز نہیں ہوگا، جو خود قرآن کریم کی آیاتِ بینات کے خلاف ہو۔

**دوم:.....** اسی طرح مفسر قرآن کا یہ بھی فرض ہے کہ کسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اس ضمن میں آنحضرت ﷺ کے قول وفعل، ہدی وسیرت اور آپ ﷺ کی سنت وطریقہ کو پیش نظر رکھے اور تفسیر قرآن میں کوئی ایسی بات نہ کہے جو آنحضرت ﷺ کی سنت ثابتہ کے خلاف ہو، کیونکہ حق تعالیٰ شانہٗ نے جس طرح قرآن کریم کے الفاظ آپ ﷺ پر نازل فرمائے ہیں، اسی طرح اس کی تشریح وتوضیح کا بھی خود ذمہ لیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

’’ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ‘‘ (القیامۃ) ’’پھر اس کا بیان کرا دینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔‘‘ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

اس آیت کریمہ سے واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ کو قرآن کریم کی مراد (بیان) بھی حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے بتائی جاتی تھی، اس لیے قرآن کریم کے شارح ومفسر خود حق تعالیٰ شانہٗ ہیں اور چونکہ آنحضرت ﷺ نے وحی جلی وخفی اور نورِ نبوت کے ذریعہ قرآن کریم کو سمجھا تھا، اسی لیے آپ قرآن کریم کی تشریح وتفسیر میں بھی تلمیذ الرحمٰن تھے اور امت کو قرآن کریم کے مفہوم ومقصود سے آگاہ کرنا بھی آپ کے فرائض میں شامل تھا، چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

’’وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَلَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ‘‘ (النحل:۴۴)

ترجمہ: ’’اور آپ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے، تاکہ جو جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ان کو آپ ان پر ظاہر کردیں اور تاکہ وہ فکر کیا کریں۔‘‘ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

’’وَمَآاَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَھُمُ الَّذِیْ اخْتَلَفُوْا فِیْہِ وَھُدًی وَّرَحْمَۃً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۔‘‘ (النحل:۶۴)

ترجمہ: ’’اور ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس واسطے نازل کی ہے کہ جن امور میں لوگ اختلاف کررہے ہیں آپ لوگوں پر اس کو ظاہر فرمادیں اور ایمان والوں کی ہدایت اور رحمت کی غرض سے۔‘‘ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

''إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْکَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاکَ اللّٰهُ۔'' (النساء:۱۰۵)

ترجمہ: ''بے شک ہم نے آپ کے پاس یہ نوشتہ بھیجا ہے واقع کے موافق، تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کریں جو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلا دیا ہے۔'' (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

پس امت کے لیے قرآن کریم کے سب سے پہلے شارح ومفسر خود آنحضرت ﷺ تھے اور آنحضرت ﷺ کے تمام اقوال وافعال، احکام وفرامین اور آپ ﷺ کی سیرت وسنت قرآن حکیم ہی کی شرح وتفصیل ہے، اسی حقیقت کو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہما نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

''کان خلقه القرأن۔'' (صحیح مسلم، ج:۱،ص:۲۵۶)....ترجمہ: ''آپ ﷺ کا اخلاق قرآن تھا۔''

مطلب یہ کہ آپ ﷺ کے اخلاق وعادات، طور وطریق اور سیرت وکردار سب قرآن کریم کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے اور آپ ﷺ جو کچھ بھی فرماتے یا کرتے تھے وہ سب قرآن کریم ہی کی تعلیم تھی، اس لیے آپ ﷺ کا ہر حکم قرآن کریم کا شارح تھا، اسی کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ذرا کھول کر یوں بیان فرمایا:

''کل ماحکم به رسولُ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فهو مما فهمهٗ من القرآن، قال تعالٰی: إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْکَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاکَ اللّٰهُ، فی آیات أخر'' (الاتقان فی علوم القرآن، ج:۲،ص:۱۷۶)

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ نے جو فیصلے بھی فرمائے وہ آپ ﷺ نے قرآن کریم ہی سے سمجھے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے آپ کے پاس یہ نوشتہ بھیجا ہے واقع کے موافق، تاکہ آپ ان لوگوں کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کریں، جو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلا دیا ہے۔''

ہمارے شیخ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے شیخ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کا ارشاد نقل کیا ہے:

''اگر نورِ بصیرت کے ساتھ احادیث شریفہ پر غور کیا جائے تو نظر آئے گا کہ بہت سی احادیث قرآن کریم کے چشمہ صافی سے نکلی ہیں، یہاں تک کہ بہت سی احادیث شریفہ میں قرآن کریم کی تعبیرات کی طرف لطیف اشارات پائے جاتے ہیں۔'' (یتیمۃ البیان،ص:۲۸)

قرآن کریم کی تشریح وتفسیر کے لیے قرآن کریم کے شارح اول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تشریح وتبیین کس قدر ناگزیر ہے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل مثالوں سے ہوگا:

۱:.....قرآن کریم میں بار بار ''اقامتِ صلوٰۃ'' کا حکم دیا گیا ہے، کس وقت کی نماز کی کتنی رکعات ہیں؟ نماز کے شرائط وارکان کیا ہیں؟ نماز کہاں سے شروع ہوکر کہاں ختم ہوتی ہے؟ وغیرہ وغیرہ بیسیوں سوالات ایسے ہیں جن کی تشریح آنحضرت ﷺ نے اپنے قول وفعل سے فرمائی ہے اور ان تشریحات نبوی کے بغیر کسی شخص کے لیے یہ ممکن نہیں کہ قرآن کریم کے حکم ''اقامتِ صلوٰۃ'' کا مفہوم متعیّن کرسکے۔

۲:.....قرآن کریم میں بہت سی جگہ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن زکوٰۃ کس مال پر فرض ہے؟ کس پر نہیں؟ زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے؟ زکوٰۃ کی کتنی مقدار فرض ہے؟ یہ اور اس قسم کے تمام امور آنحضرت ﷺ کی تشریح سے امت کو معلوم ہوئے ہیں، ورنہ کوئی شخص مرادِ خداوندی کو دریافت نہیں کرسکتا تھا۔

۳:.....قرآن کریم میں حج بیت اللہ کا حکم دیا گیا ہے، لیکن حج کا طریقہ کیا ہے؟ اور اس کے ارکان ولوازمات کیا ہیں؟ ان تمام امور کی تفصیل آنحضرت ﷺ کی قولی وعملی تشریح سے معلوم ہوئی، اس کے بغیر کوئی شخص ''قرآنی حج'' کا طریقہ کا رمتعین نہیں کرسکتا تھا۔

یہ چند مثالیں اسلام کے اہم ترین ارکان کی عرض کی گئی ہیں، جن سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ قرآن کریم کی مراد آنحضرت ﷺ کے قول وفعل اور ہدی وسیرت میں متشکل ہوکر سامنے آتی ہے۔

**سوم:**..... مفسر کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ تفسیر میں آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے انوار سے روشنی حاصل کرے اور کسی آیت کی ایسی تفسیر نہ کرے جو حضرات صحابہؓ کی تفسیر کے خلاف ہو، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدرسۂ نبوت کے بلاواسطہ شاگرد ہیں اور حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے آنحضرت ﷺ ایسے معلم انسانیت کو ان کا معلم ومرشد اور ہادی بنایا گیا، جیسا کہ متعدد مقامات پر فرمایا ہے: ''وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ'' ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تعلیم کتاب وحکمت کے بعد قرآن فہمی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہمسر کون ہوسکتا ہے؟ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نزولِ وحی اور اس کی عملی تشکیل کے عینی شاہد ہیں، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الاتقان میں امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ارشاد نقل کیا ہے:

''واللّٰه مانزلت آية إلا وقد علمتُ فيمَ أنزلت وأين أنزلت، إن ربي وهب لي قلبا عقولا ولسانا سئولا۔'' (الاتقان، نوع:۸)

ترجمہ: ''اللہ کی قسم! جو آیت بھی نازل ہوئی اس کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ کس بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی؟ میرے رب نے مجھے بہت سمجھنے والا دل اور بہت پوچھنے والی زبان عطا فرمائی ہے۔''

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؓ نے برسرِ منبر فرمایا:

''سلوني، فواللّٰه لاتسألون عن شيء إلا أخبرتكم وسلوني عن كتاب اللّٰه، فواللّٰه ما من آية إلا وأنا أعلم أَ بِليلٍ نزلت أم بنهار، أم في سهل أم في جبل۔'' (حوالہ بالا)

ترجمہ: ''مجھ سے سوال کرو، پس اللہ کی قسم! مجھ سے جو بات بھی پوچھو گے اس کا جواب دوں گا اور مجھ سے کتاب اللہ کے بارے میں پوچھو، پس اللہ کی قسم! قرآن کریم کی کوئی آیت ایسی نہیں جس کے بارے میں مجھے یہ علم نہ ہو کہ وہ رات کے وقت اتری تھی یا دن کے وقت، میدان میں اتری تھی یا پہاڑ پر۔''

اسی طرح فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے:



www.banuri.com.pk

**’’والذی لاإلٰہ غیرہٗ مانزلت آیة من کتاب اللّٰہ إلا وقد علمت فیمن نزلت وأین نزلت ولو أعلم مکان أحد أعلم بکتاب اللّٰہ منی تنالہ المطایا لأتیتہٗ۔‘‘** (حوالہ بالا)

ترجمہ: ’’اس ذات کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں، کتاب اللہ کی جو آیت بھی نازل ہوئی اس کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ کس کے حق میں نازل ہوئی؟ اور کہاں نازل ہوئی؟ اور اگر مجھے معلوم ہو کہ کوئی شخص کتاب اللہ کا مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے اور اس تک پہنچنا ممکن ہو تو میں ضرور اس کی خدمت میں حاضر ہوتا۔‘‘

پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ایسی محنت و جانفشانی سے فہم قرآن میں مہارت حاصل کی تھی کہ کوئی دوسرا شخص اس کا تصوّر بھی نہیں کرسکتا، اس سلسلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بہت سے عجیب وغریب واقعات نقل کیے گئے ہیں، ان تمام واقعات کو نقل کرنا موجب طوالت ہوگا، یہاں حضرت ابوعبدالرحمٰن اسلمی رحمہ اللہ کا صرف ایک فقرہ نقل کردینا کافی ہوگا، وہ فرماتے ہیں:

**’’حدثنا الذین کانوا یقرء ون القرآن، کعثمان بن عفانؓ وعبداللّٰہ بن مسعودؓ وغیرھما أنھم کانوا إذ تعلموا عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عشر آیات لم یتجاوزوھا حتّٰی یعلموا ما فیھا من العلم والعمل ، قالوا: فتعلمنا القرآن والعلم جمیعا ولھٰذا کانوا یبقسون مدة فی حفظ السورة۔‘‘** (الاتقان، نوع:۷۸)

ترجمہ: ’’جو حضرات ہمیں قرآن پڑھاتے تھے جیسے حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور دیگر حضرات رضی اللہ عنہم، انہوں نے ہمیں بتایا کہ وہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیتیں سیکھ لیتے تھے تو آگے نہیں پڑھتے تھے، یہاں تک کہ ان آیات میں جو کچھ علم وعمل ہے اس کا علم حاصل نہ کرلیں، وہ فرماتے تھے کہ ہم نے قرآن کریم، علم اور عمل تینوں کو اکٹھے سیکھا تھا، اسی بنا پر وہ مدت تک ایک سورت کے حفظ میں مشغول رہتے تھے۔‘‘

الغرض تفسیر نبوی کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفسیر سب سے مقدم ہے اور حقیقت میں وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعلیم کا ثمرہ ہے، اس لیے ایک مفسر کے لیے اس کا نظرانداز کرنا کسی طرح ممکن نہیں اور اسی ضمن میں اکابر تابعین رحمہم اللہ علیہم کی تفسیر آتی ہے جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قرآن کریم کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی، اس لیے مفسر پر لازم ہے کہ وہ صحابہؓ وتابعینؒ کی تفسیر کے خلاف نہ چلے۔

**چہارم:**..... مفسر کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اہل حق کے عقائد واعمال اور اخلاق کا پابند نہ ہو، ’’الاِتقان‘‘ میں امام ابوطالب طبریؒ سے نقل کیا ہے:

**’’إن من شرطہ صحة الاعتقاد أولا ولزوم سنة الدین ، فإن من کان مغموصًا علیہ فی دینہ لایؤتمن علٰی الدنیا فکیف علٰی الدین ، ثم لایؤتمن فی الدین علٰی الاخبار عن عالم فکیف یؤتمن فی الأخبار عن أسرار اللّٰہ تعالٰی ولأنہٗ لایؤمن إن کان متھما بالإلحاد أن**

یبغی الفتنة ویغر الناس بلیّه وخداعه۔‘‘ (الاتقان،نوع:۷۸)

ترجمہ:’’مفسر کے شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پہلے تو اس کا عقیدہ صحیح ہو، دوسرے وہ سنت دین کا پابند ہو، کیونکہ جو شخص دین میں مخدوش ہو کسی دنیوی معاملے میں بھی اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا تو دین کے معاملے میں اس پر کیا اعتماد کیا جائے گا؟ پھر ایسا شخص اگر کسی عالم سے دین کے بارے میں کوئی بات نقل کرے اس میں بھی وہ لائق اعتماد نہیں، اسرارِ الٰہی کی خبر دینے میں تو کیا لائق اعتماد ہوگا۔ نیز ایسے شخص پر اگر الحاد کی تہمت ہو تو اس کے بارے میں یہ اندیشہ ہے کہ وہ تفسیر لکھ کر کوئی فتنہ نہ کھڑا کر دے اور لوگوں کو اپنی چرب زبانی ومکّاری سے گمراہ کرے۔‘‘

**پنجم:**.....اسی طرح ہر قسم کی بدعت وکجروی سے مفسر کے ذہن کا پاک ہونا بھی ضروری ہے، ورنہ اس کی تفسیر ناقابل اعتماد ہوگی، کیونکہ وہ قرآن کریم کو اپنی بدعت کے رنگ میں ڈھالنا شروع کردے گا، نام تو ہوگا تفسیر قرآن کا، لیکن جو کچھ وہ لکھے گا وہ قرآن کریم کی تفسیر نہیں ہوگی، بلکہ اس کے بدعت آلود ذہن کا بخار ہوگا، اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں پر فہم قرآن کو حرام کر دیا ہے جو بدعت وخواہش نفسانی کا چشمہ لگا کر قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں۔’’الاتقان‘‘ میں امام زرکشی کی’’البرہان‘‘ سے نقل کیا ہے:

’’اعلم أنه لا یحصل للناظر فهم معانی الوحی ولا یظهر لهٗ أسرارهٗ وفی قلبه بدعة أو کبر أو هویً أو حب الدنیا أو هو مصرّ علٰی ذنب أو غیر متحقق بالإیمان أو ضعیف التحقیق أو یعتمد علٰی قول مفسر لیس عندهٗ علم أو راجع إلٰی معقوله وهٰذه کلها حجب وموانع بعضها آکد من بعض۔‘‘ (الاتقان، ج:۲،نوع:۷۸،ص:۱۸۱)

ترجمہ:’’جاننا چاہیے کہ قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والے پر وحی کے معانی ظاہر نہیں ہوتے اور اس پر وحی کے اسرار نہیں کھلتے، جبکہ اس کے دل میں بدعت ہو یا تکبر ہو یا اپنی ذاتی خواہش ہو یا دنیا کی محبت ہو یا وہ گناہ پر اصرار کرنے والا ہو یا اس کا ایمان پختہ نہ ہو یا اس میں تحقیق کا مادہ کمزور ہو، یا وہ کسی ایسے مفسّر کے قول پر اعتماد کرے جو علم سے کورا ہو، یا وہ قرآن کریم کی تفسیر میں محض عقل کے گھوڑے دوڑاتا ہو، یہ تمام چیزیں فہم قرآن سے حجاب اور مانع ہیں، ان میں بعض دوسری بعض سے زیادہ قوی ہیں۔‘‘

## ششم:.....تفسیر بالرائے

جس طرح مفسّر کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے خیالات وافکار سے خالی الذہن ہوکر یہ سمجھنے کی کوشش کرے کہ اس آیت میں قرآن کریم کی دعوت کیا ہے، اور کن کن مسائل پر روشنی ڈالی جارہی ہے، خود اپنے خیالات وافکار قرآن کریم میں ٹھونسنے کی کوشش نہ کرے، اسی طرح اس کا یہ بھی فرض ہے کہ تفسیر بالرائے سے اجتناب کرے، کیونکہ تفسیر بالرائے حرام ہے اور اس پر سخت وعید آئی ہے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''من قال فی القرآن برأیه فلیتبوأ مقعدہٗ من النار وفی روایة : من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعده من النار۔''　(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، ص:۳۵)

ترجمہ: ''جس شخص نے قرآن میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے اور ایک روایت میں ہے کہ جس شخص نے بغیر علم کے قرآن میں کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے۔''

ایک اور حدیث میں ہے:

''من قال فی القرآن برأیه فأصاب فقد أخطأ۔''　(رواہ الترمذی وابوداؤد)

ترجمہ: ''جس شخص نے قرآن میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی اس نے اگر ٹھیک کیا تب بھی غلط کیا۔''

## تفسیر بالرائے سے کیا مراد ہے؟

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ''الاتقان، نوع: ۷۸'' میں ابن النقیب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ تفسیر بالرائے سے کیا مراد ہے؟ اس میں اہل علم کے پانچ قول ملتے ہیں:

اول:...... یہ کہ تفسیر قرآن کے لیے جن علوم کی ضرورت ہے کوئی شخص ان کو حاصل کیے بغیر تفسیر کرنے بیٹھ جائے۔

دوم:.....کوئی شخص ان متشابہات کی تفسیر کرنے لگے جن کی مراد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

سوم: غلط مذہب کو ثابت کرنے کے لیے تفسیر کرنا، یعنی کوئی شخص اپنے مذہب فاسد کو تو اصل بنائے اور تفسیر کو اس کے تابع کرے اور جس طرح بھی ممکن ہو کھینچ تان کر قرآن کریم کو اپنے مذہب پر چسپاں کرے۔

چہارم: بغیر دلیل کے کسی آیت کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی قطعی مراد یہ ہے۔

پنجم: محض اپنی خواہش و پسند کے مطابق تفسیر کرنا۔　(الاتقان، جلد دوم، ص:۱۸۳)

## تحریفِ معنوی

خلاصہ یہ کہ یہ تمام صورتیں تفسیر بالرائے کے تحت داخل ہیں، ہمارے زمانے میں قادیانی، پرویزی وغیرہ دیگر گمراہ اور کجرو فرقوں کی تفسیروں کا یہی حال ہے، ان کی تفسیر 'تفسیر بالرائے' سے بڑھ کر قرآن کریم کی کھلی کھلی تحریف معنوی ہے، چنانچہ قرآن کریم کی آڑ لے کر قطعیاتِ دین کا انکار کیا جاتا ہے، آنحضرت ﷺ کی سنت متواترہ کو پسِ پشت ڈالا جاتا ہے، اسلام کے قطعی واجماعی عقیدہ کو جھٹلایا جاتا ہے، چودہ سو سالہ اکابر امت کے اجماع مسلسل سے (جس کو قرآن کریم نے ''سبیل المؤمنین'' فرمایا ہے) انحراف کیا جاتا ہے اور لغت وزبان کے قواعد سے آزاد ہوکر قرآن کریم کو جاہلانہ تحریفات کا تختۂ مشق بنایا جاتا ہے، ضروری تھا کہ ایسی تحریفات کی بھی چند مثالیں ذکر کردی جاتیں، لیکن افسوس کہ اس مختصر مضمون میں اس کی گنجائش نہیں۔

## ترجمۂ قرآن کے آداب

قرآن کریم کا ترجمہ بھی تفسیر وترجمانی ہی کی ایک صورت ہے، اس لیے ترجمۂ قرآن میں بھی مندرجہ بالا اصول کا لحاظ رکھنا اشد ضروری ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا صحیح ترجمہ کرنا اس کی تفسیر سے بھی مشکل اور نازک کام ہے، اس لیے اس میں حزم واحتیاط کی ضرورت اور بھی زیادہ ہے، ترجمہ کرتے وقت قرآن کریم کے الفاظ واسلوب کی رعایت رکھنا چاہیے اور یہ ایسی مشکل اور دشوار گزار گھاٹی ہے کہ اچھے اچھے لوگ اس میں لڑکھڑا جاتے ہیں، یہاں مؤرخ اسلام سید الملۃ والدین علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا اقتباس نقل کرتا ہوں، جو مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہٗ نے ''معارف القرآن'' میں ماہنامہ ''العلم'' کراچی کے حوالے سے نقل کیا ہے، سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ''اس سلسلے میں مجھے دو باتیں کہنی ہیں: ایک: تو یہ کہ قرآن پاک کے ترجمے میں بے احتیاطی کو کام میں نہ لایا جائے، یہ تحریف ہے، اور جس کی سزا کا حال معلوم ہے، ترجمہ بالکل لفظی کرنا چاہیے، پھر اس کی تشریح اپنے ضروری مطلب کے ساتھ کرسکتے ہیں، یہ کسی طرح درست نہیں کہ ترجمہ میں الفاظ کی رعایت کیے بغیر اپنے مطلوب کے مطابق کوشش کی جائے، یہ شدید تحریف ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ پھر کسی دوسری ضرورت کے وقت آپ کو اس آیت کا دوسرا ترجمہ دوسرے ڈھنگ سے کرنا پڑے گا، اس وقت آپ پر یہ ثابت ہوجائے گا کہ ہم نے اتباعِ ہویٰ کا دانستہ ارتکاب کیا۔ دوسری چیز یہ ہے کہ جمہور اسلام جس مسئلہ پر اعتقادی وعملی طور پر متفق ہوں ان کو چھوڑ کر تحقیق کی نئی راہ اختیار نہ کی جائے، یہ طریق تواتر وتوارث کی بیخ کنی کے مترادف ہے، اس گناہ کا مرتکب کبھی میں خود ہوچکا ہوں اور اس کی اعتقادی وعملی سزا بھگت چکا ہوں، اس لیے دل سے چاہتا ہوں کہ اب میرے عزیزوں اور دوستوں میں سے کوئی اس راہ سے نہ نکلے، تاکہ وہ اس سزا سے محفوظ رہے جو ان سے پہلوں کو مل چکی۔''

(معارف القرآن، ص: ۱۲۶ از مولانا قاضی محمد زاہد الحسینیؒ، بحوالہ ماہنامہ العلم کراچی، جنوری تا مارچ ۱۹۵۹ء)

## چند مفید تفاسیر

تفسیر کے موضوع پر ان مختصر اشارات کو ختم کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند مفید اور آسان تفاسیر کی طرف راہنمائی کردی جائے:

۱:..... معارف القرآن (آٹھ جلدوں میں) از مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ، اس میں قرآن کریم کے متن کے ساتھ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہے اور خلاصۂ تفسیر حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان القرآن سے مأخوذ ہے اور پھر ''معارف ومسائل'' کے عنوان سے ضروری تشریحات ونکات اور مسائل ذکر کیے جاتے ہیں، ہمارے دور کی یہ مفید ترین تفسیر ہے۔

۲: ...... **معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ،** محدثانہ انداز کی یہ بہترین تفسیر ہے، متن قرآن کے ساتھ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہے، تفسیر میں بیان القرآن کی پیروی کی گئی ہے اور حدیثی، کلامی، فقہی اور تاریخی فوائد کا گراں قدر اضافہ کیا گیا ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس کی تکمیل نہیں فرما سکے تھے، ان کے صاحبزادہ گرامی حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور نے اس کی تکمیل فرمائی ہے۔

۳: ......فوائد عثمانی بر ترجمہ شیخ الہندؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمد حسن دیوبندی قدس سرہٗ نے حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کو جدید قالب میں ڈھالا تھا اور سورۂ بقرہ اور سورۃ النساء کے فوائد بھی تحریر فرمائے تھے، بقیہ فوائد حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمائے، یہ تفسیر ایک ادبی شاہکار ہے اور قرآن فہمی کے لیے کلید کا حکم رکھتی ہے۔

۴: ......تفسیر کشف الرحمٰن، از سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، اس تفسیر میں بھی ترجمہ اور تفسیر کے لیے حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر موضح القرآن کو بنیاد بنادیا گیا ہے اور قرآنی مفاہیم کو دہلی کی ٹکسالی زبان میں کیا گیا ہے۔

**وأٰخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمين**

www.banuri.edu.pk

# جاوید احمد غامدی

## سیاق وسباق کے آئینہ میں (تیرہویں قسط)

مولانا فضل محمد یوسف زئی

### حدود وتعزیرات میں

غامدی صاحب کے منشور کا یہ چوتھا بڑا عنوان ہے، اس بڑے عنوان کے ضمن میں کل آٹھ دفعات ہیں، اس میں سے چار دفعات پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہے، لیکن باقی چار دفعات میں سنگین غلطیاں ہیں جن پر شدید مؤاخذہ اور گرفت کی ضرورت ہے، چنانچہ اس بڑے عنوان کی تیسری دفعہ دیت سے متعلق ہے۔

### شرعی دیت سے متعلق غامدی صاحب کا نظریہ

دیت سے متعلق غامدی صاحب اپنے منشور کی دفعہ:۳ کے تحت لکھتے ہیں:

’’دیت کے معاملے میں یہ حقیقت مانی جائے کہ قرآن مجید کی رو سے یہ بے شک ہر دور اور ہر معاشرہ کے لیے اسلام کا واجب الاطاعت قانون ہے، لیکن اس کی مقدار، نوعیت اور دوسرے تمام امور میں قرآن کا یہی حکم ہے کہ ’’معروف‘‘، یعنی معاشرے کے دستور اور رواج کی پیروی کی جائے، چنانچہ اسلام نے نہ دیت کی کوئی خاص مقدار ہمیشہ کے لیے متعین کی ہے اور نہ عورت اور مرد اور غلام اور آزاد اور کافر اور مؤمن کی دیتوں میں کسی فرق کی پابندی ہمارے لیے لازم ٹھہرائی ہے۔‘‘ (منشور ص:۱۷)

**تبصرہ:** سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ غامدی صاحب کے پاس کونسی اتھارٹی ہے کہ وہ دیت وغیرہ شرعی احکام میں جوڑ توڑ کے لیے جج بنے ہوئے ہیں؟ کیا چودہ سو سال سے جس مسئلہ کو صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، مجتہدین اور فقہائے کرام نے سُلجھا کر امت کے سامنے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا اور اس کے لیے واضح قواعد رکھ کر امت کو آسان شاہراہ پر گامزن کر دیا، کیا وہ کافی وشافی نہیں ہے؟ اس کے بعد غامدی صاحب کی کس تحقیق کی ضرورت رہ گئی کہ وہ مجتہد بن کر بلا ضرورت تحقیق کے میدان میں اتر گئے اور نبی اکرم ﷺ سے لے کر آج تک تمام علماء اور محققین کو کنارے

کر دیا اور اپنی خود ساختہ تحقیقات ''عرف'' اور ''دستور'' اور ''رواج'' اور شعراء جاہلیت کے اشعار کو امت پر مسلط کرنا شروع کر دیا۔ تعجب اس پر ہے کہ امت تو نبی اکرم، رسول معظم ﷺ کی ہے اور ان کے لیے قوانین وقواعد غامدی صاحب بنا رہے ہیں؟ میں نے کئی بار کہا ہے اور پھر کہتا ہوں کہ غامدی صاحب!!! آپ کے اجتہاد کی ہمیں ضرورت نہیں ہے، آپ جو کچھ لکھ رہے ہیں اور نئی شریعت بنا رہے ہیں اس سے آپ امت کو تشویش اور تشکیک میں ڈال رہے ہیں، مثلاً: یہاں منشور کے دفعہ تین میں آپ نے دیت سے متعلق لکھا ہے: ''دیت کی مقدار، نوعیت اور دوسرے تمام امور میں قرآن کا حکم یہی ہے کہ معروف یعنی معاشرے کے دستور اور رواج کی پیروی کی جائے، الخ۔''

کم از کم آپ کو خدا کا خوف نہیں کہ نبی اکرم ﷺ پر جو قرآن اُترا، اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر وتبیین کا وعدہ بھی کیا اور نبی اکرم ﷺ نے اس کا بیان بھی فرمایا، نبی اکرم ﷺ کے بیان کو چھوڑ کر آپ عرف اور دستور کے پیچھے لگے ہوئے ہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف سطحی غلطی نہیں، بلکہ آپ کے دل ودماغ میں انکار حدیث اور دین اسلام کے مسخ کرنے کا ایک منصوبہ اور شوق پڑا ہوا ہے۔ جب کسی حکم کے لیے نص موجود ہو تو تنصیصِ شرعی کے بعد آپ کو کس نے اجازت دی ہے کہ آپ عرف کی بات کریں یا معاشرے کے دستور اور رواج کی بات کریں، یہی بات تو غلام احمد پرویز کرتا تھا اور وہ کہتا تھا کہ: دین کا اصل اور مرکز حکومت اور گورنمنٹ ہے۔ اللہ اور رسول سے مراد گورنمنٹ اور پارلیمنٹ ہے۔ میں آپ سے کہتا ہوں کہ اگر آپ میں ذرا بھی انصاف ہے تو کیا نبی کی بات معیار ہونا چاہیے یا دستور اور رواج کی بات کو معیار ہونا چاہیے؟ نبی اکرم ﷺ نے مرد کی دیت کے لیے سو اونٹ مقرر فرمائے ہیں، یہ دین ابراہیمی کا قدیمی طریقہ قریش کے پاس تھا یا عرب کا رواج تھا یا معاشرہ کا دستور تھا، کچھ بھی تھا، اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے اس کو شریعت کا حصہ بنا دیا، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو طبقات میں ابن سعدؒ نے اس طرح نقل کیا ہے:

''قَالَ ابْنُ عَبَّاسٌ: عَبْدُالْمُطَّلِبِ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ دِيَةَ النَّفْسِ مائةً مِنَ الإبِلِ فجرت فی قريش وَالْعَرَب مائة من الإبل وأقرَّهَا رسولُ اللّٰهِ صلى اللّٰهِ عليه وسلم علىٰ ما كانتْ عَلَيْهِ۔'' (طبقات کبریٰ، ج:۱، ص:۵۸، ۵۹)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: عرب میں عبدالمطلب پہلے انسان ہیں جنہوں نے جان کی دیت ایک سو اونٹ مقرر کیے، پھر قریش اور عرب میں سو اونٹوں کا سلسلہ جاری رہا، پھر آنحضرت ﷺ نے شرعی طور پر وہی سو اونٹوں کا سلسلہ اسلام میں برقرار رکھا۔''

غامدی صاحب کو جان لینا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ نے جب دیت کے قانون کو اسلامی قانون کی حیثیت سے اپنا لیا، اب یہ جاہلیت کا قانون نہیں رہا اور نہ زمانے کا عرف اور دستور رہا، بلکہ اب یہ اسلام کا قانون بن گیا۔ قول رسولؐ اور فعل رسولؐ کی طرح تقریر رسول بھی حدیث وسنت کا مقام رکھتی ہے۔ ادھر مؤطا میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے قتل خطاً کی دیت کے بارے میں صحیح سند کے ساتھ جو حدیث نقل فرمائی ہے اس میں

صاف طور پر مذکور ہے: ''إِنَّ فِیْ النَّفْسِ مِائَةٌ مِّنَ الْإِبِلِ ''یعنی'' جان میں دیت کی مقدار سو اونٹ ہے۔'' (مؤطا مالک، کتاب العقول، ص: ۶۶۸، نور محمد کتب خانہ وسنن النسائی، کتاب القسامة والدیات، ج:۲، ص:۲۵۱، قدیمی کتب خانہ)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر محدث محمد بن نصر مروزی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب السنۃ میں یہ روایت نقل کرتے ہیں:

''کتب عمر بن عبدالعزیزؒ فی الدیات فذکر فی الکتاب ''وکانت دیة المسلم علٰی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم مائة من الإبل۔''

''حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے دیتوں سے متعلق ایک تحریر لکھی، اس تحریر میں آپ نے ذکر کیا کہ مسلمان مرد کی دیت آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایک سو اونٹ تھی۔''

غامدی صاحب! آنکھیں کھول کر ادھر بھی دیکھ لیں کہ کیا نبی اکرم ﷺ نے دیت کو خود متعین کیا ہے یا معاشرے اور حکومتِ وقت پر چھوڑ رکھا ہے؟ آنے والی حدیث میں انسان اور انسان کے جسم کے مختلف اعضاء کی دیت کا تعین کیا گیا ہے، حتیٰ کہ خصیتین تک معاملہ جا پہنچا ہے اور خصیتین کی دیت کی مقدار ایک سو اونٹ بتائی گئی ہے۔ غامدی صاحب! اگر اس کی مقدار میں تعیین نہیں مانتے ہیں تو وہ آخر کیا تعیین چاہتے ہیں؟ دیت کی تفصیلی حدیث ملاحظہ ہو:

## جسم کے مختلف اعضاء کی دیت

''وعن أبی بکر بن محمّد بن عمرو بن حزم عن أبیه عن جدّہٖ أنّ رسول الله صلّی اللّٰه علیه وسلّم کتب إلٰی أهل الیمن وکان فی کتابهٖ أنّ من اعتبط مؤمنا قتلا فإنّهٗ قود یدهٖ إلّا أن یّرضٰی أولیآء المقتول وفیه أنّ الرّجل یقتل بالمرأة وفیه فی النّفس الدّیة مائة من الإبل وعلٰی أهل الذّهب ألف دینار وفی الأنف إذا أوعب جدعهٗ الدّیة مائة من الإبل وفی الأسنان الدّیة وفی الشّفتین الدّیة وفی البیضتین الدّیة وفی الذّکر الدّیة وفی الصّلب الدّیة وفی العینین الدّیة وفی الرّجل الواحدة نصف الدّیة وفی المأمومة ثلث الدّیة وفی الجائفة ثلث الدّیة وفی المنقّلة خمس عشرة من الإبل وفی کلّ اصبع من أصابع الید والرّجل عشر من الإبل وفی السّنّ خمس من الإبل۔ (رواہ النسائی، ج:۲، ص:۲۵۱، ط: قدیمی کتب خانہ والدارمی ومن کتاب الدیات، باب الدیۃ فی قتل العمد، ج:۲، ص:۱۰۹، ط: نشر السنۃ، ملتان) ''وفی روایة مالک وفی العین خمسون وفی الید خمسون وفی الرّجل خمسون وفی الموضحة خمس۔'' (مؤطا امام مالک، کتاب العقول، ص:۶۶۸، نور محمد کتب خانہ)

''اور حضرت ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم اپنے والد (حضرت محمد ابن عمرو) سے اور وہ ابوبکر کے دادا (حضرت عمرو بن حزم) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اہل یمن کے پاس ایک ہدایت نامہ بھیجا جس میں لکھا ہوا تھا کہ جو شخص قصداً کسی مسلمان کو ناحق مار ڈالے (یعنی قتل عمد کا ارتکاب کرے) تو اس کے ہاتھوں کے فعل کا قصاص ہے (یعنی اس نے اپنے ہاتھوں کے فعل اور تقصیر کے ذریعہ جو قتل عمد کیا ہے اس کی سزا میں اس کو بھی قتل کردیا جائے)

الا یہ کہ مقتول کے ورثاء راضی ہو جائیں (یعنی اگر مقتول کے وارث قاتل کو معاف کردیں یا اس سے خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں تو اس کو قتل نہ کیا جائے) اس ہدایت نامہ میں یہ بھی تھا کہ (مقتول) عورت کے بدلے میں (قاتل) مرد کو قصاص میں قتل کیا جائے، اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ جان کا خون بہا سو اونٹ ہیں (یعنی جس کے پاس اونٹ ہوں وہ خون بہا میں مذکورہ تفصیل کے مطابق سو اونٹ دے) اور جس کے پاس سونا ہو وہ ایک ہزار دینار دے، اور ناک کی دیت جب کہ وہ پوری کاٹی گئی ہو ایک سو اونٹ ہیں اور دانتوں کی دیت (جب کہ وہ سب توڑے گئے ہوں) پوری دیت (یعنی ایک سو اونٹ کی تعداد) ہے اور ہونٹوں کی دیت (جب کہ وہ پورے کاٹ دیئے گئے ہوں) پوری دیت ہے اور دونوں خصیوں کے کاٹے جانے کی بھی پوری دیت اور پیٹھ کی ہڈی توڑے جانے کی پوری دیت اور عضو خاص کے کاٹے جانے کی بھی پوری دیت ہے اور دونوں آنکھوں کو پھوڑ دینے کی بھی پوری دیت ہے، اور ایک پیر کاٹنے پر آدھی دیت ہے، اور سر کی جلد زخمی کرنے پر تہائی دیت ہے اور پیٹ میں زخم پہنچانے پر بھی تہائی دیت ہے اور اس طرح مجروح کرنے پر کہ ہڈی ایک جگہ سے سرک گئی ہو پندرہ اونٹ دینے واجب ہیں اور ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں سے ہر ایک انگلی (کاٹنے) پر دس اونٹ دینے واجب ہیں، اور ہر ہر دانت کا بدلہ پانچ پانچ اونٹ ہیں۔ (نسائی، دارمی) اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ایک آنکھ (پھوڑنے) کی دیت پچاس اونٹ ہیں اور ایک ہاتھ اور ایک پیر کی دیت پچاس پچاس اونٹ ہیں اور ایسا زخم پہنچانے کی دیت جس میں ہڈی نکل آئی ہو یا ظاہر ہوگئی ہو پانچ اونٹ ہیں۔''

## قتل خطأ اور شبہ عمد کی دیت سو اونٹ ہیں

**''عن عبداللّٰہ بن عمرو أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: ألا إن دیۃ الخطأ شبہ العمد ما کان بالسوط والعصا مائۃ من الإبل منہا أربعون فی بطونہا أولادہا۔''**

(ابوداؤد، باب دیۃ الخطأ، شبہ العمد، ج:۲،ص:۲۶۹، ایچ ایم سعید کمپنی)

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جاننا چاہیے کہ قتل خطأ جس سے مراد شبہ عمد ہے اور جو کوڑے اور لاٹھی کے ذریعہ واقع ہوا ہو، اس کی دیت سو اونٹ ہیں جن میں سے چالیس ایسی اونٹنیاں بھی ہونی چاہئیں جن کے پیٹ میں بچے ہوں۔''

## قتل شبہ عمد کی دیت سو اونٹ ہیں

**''عن علیؓ أنہ قال: فی شبہ العمد أثلاثا ثلاث وثلاثون حقۃ وثلاث وثلاثون جذعۃ وأربع وثلاثون ثنیۃ إلٰی بازل عامہا کلہا خلفۃ، وفی روایۃ قال: فی الخطأ أرباعا خمس وعشرون حقۃ وخمس وعشرون جذعۃ وخمس وعشرون بنات لبون**

**وخمس وعشرون بنات مخاض۔**'' (ابوداؤد، باب دیۃ الخطأ وشبہ العمد، ج:۲،ص:۲۷۰، ایچ ایم سعید کمپنی)

''حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: قتل شبہ عمد کی دیت میں (سو) اونٹنیاں دینی واجب ہیں بایں تفصیل کہ تینتیس اونٹنیاں وہ ہوں جو چوتھے برس میں لگی ہوں اور تینتیس اونٹنیاں وہ ہوں جو پانچویں برس میں لگی ہوں اور چونتیس اونٹنیاں وہ جو چھٹے برس میں لگی ہوں اور آٹھ نو سال تک جا پہنچی ہوں اور سب حاملہ ہوں۔ ایک اور روایت میں حضرت علیؓ سے یہ منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: قتل خطأ کی دیت میں چار طرح کی (سو) اونٹنیاں دینی واجب ہیں، بایں تفصیل کہ پچیس وہ ہوں جو تین تین برس کی ہوں اور پچیس وہ ہوں جو چار چار برس کی ہوں اور پچیس وہ ہوں جو دو دو برس کی ہوں اور پچیس وہ ہوں جو ایک ایک برس کی ہوں۔''

نوٹ: اس روایت کا آخری حصہ احناف کی دلیل ہے۔

''**وعن مجاهد قال: قضٰى عمرؓ في شبه العمد ثلاثين حقة وثلاثين جذعة وأربعين خلفة ما بين ثنية إلٰى بازل عامها۔**'' (ابوداؤد، باب دیۃ الخطأ وشبہ العمد، ج:۲،ص:۲۷۰، ایچ ایم سعید کمپنی)

''اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قتل شبہ عمد کی دیت میں تیس اونٹنیاں تین تین برس کی اور تیس اونٹنیاں چار چار برس کی اور چالیس اونٹنیاں حاملہ جو چھٹے برس سے لے کر نویں برس تک جا پہنچی ہوں دینے کا حکم فرمایا۔ (گویا یہ روایت حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے موافق ہے)۔''

ان واضح احادیث اور واضح احکامات اور سر سے لے کر پاؤں تک انسان کے جسم کے ایک ایک عضو کا نام سردارِ دو جہاں ﷺ اپنی مبارک زبان اور فرمان سے واضح فرماتے ہیں اور امت کو واضح ہدایات جاری فرمادیتے ہیں اور غامدی صاحب کہتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ نے کوئی تعیین کبھی بھی نہیں کی ہے۔

تعجب اس پر ہے کہ دن کی روشنی میں کس ڈھٹائی کے ساتھ غامدی صاحب دیت کا انکار کرتے ہوئے اپنی کتاب برھان میں لکھتے ہیں کہ:

''زمانے کی گردشوں نے کتاب تاریخ میں چودہ صدیوں کے ورق الٹ دیے ہیں، تمدنی حالات اور تہذیبی روایات، ان سب میں زمین وآسمان کا تغیر واقع ہوگیا ہے، اب ہم دیت میں نہ اونٹ دے سکتے ہیں نہ اونٹوں کے لحاظ سے اس دور میں دیت کا تعین کوئی دانشمندی ہے۔'' (برھان، ص:۱۸)

پیغمبر اسلام تو واضح انداز میں قیامت تک امت کے لیے دیت کی مقدار کو متعین کرکے فرمان جاری فرماتے ہیں اور غامدی صاحب کہتے ہیں کہ یہ دانشمندی نہیں ہے، ہم نہ اونٹ دے سکتے ہیں، نہ اونٹوں کی قیمت دے سکتے ہیں۔ پیغمبر ﷺ کے قول وفعل کو غیر دانشمندانہ قرار دینا صریحاً کفر ہے۔ اب علماء فیصلہ کریں کہ یہ شخص کس فتویٰ کا مستحق ہے؟ میں غامدی صاحب کو جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا ہوں، بلکہ کہتا ہوں کہ غامدی صاحب کو توبہ کرنی چاہیے، یہ دنیا فانی ہے، پھر دوزخ میں توبہ کی گنجائش نہیں رہے گی۔

درِ فیض محمد وا ہے آئے جس کا جی چاہے
نہ آئے آتش دوزخ میں جائے جس کا جی چاہے
مریضانِ گناہ کو دو خبر فیض محمدؐ کی
بلا قیمت دوا ملتی ہے آئے جس کا جی چاہے

غامدی صاحب نے اپنے منشور میں قرآن مجید کی آیات کا صرف حوالہ دیا ہے اور آیت سے متعلق تفصیل اپنی کتاب برھان میں لکھی ہے، چنانچہ دیت سے متعلق قرآن مجید کی آیت یہ ہے:

''وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً، وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلٰى أَهْلِهٖ إِلَّا أَنْ يَّصَّدَّقُوْا۔'' (النساء:۹۲)

''اور جو شخص کسی مؤمن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مؤمن غلام کو آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کرے، الا یہ کہ وہ دیت کو معاف کر دیں۔''

جناب غامدی صاحب اس آیت میں لفظ ''دیة'' کے پیچھے پڑ گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''دیة'' کا لفظ نکرہ ہے اور نکرہ میں عموم ہوتا ہے، کسی چیز میں تعیین و تخصیص نہیں ہوتی، مطلب یہ ہوا کہ ہر وہ شئے جو دیت کے نام سے معروف ہو، وہ مراد ہے۔ کسی چیز میں تعیین و تخصیص نہیں ہوگی، ہمیں اس معاملے میں عرف کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا مخاطب کے عرف میں جس چیز کا نام دیت ہے وہ مقتول کے ورثہ کے سپرد کر دی جائے۔ (برھان، ص:۱۱)

اس کے علاوہ غامدی صاحب نے عرب کے اشعار کا ڈھیر لگا دیا ہے اور اس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جاہلیت میں شعراءِ عرب نے دیت کو مختلف انداز میں بیان کیا ہے، لہٰذا اسلام میں دیت کی خاص مقدار متعین نہیں ہے، بس صرف زمانہ کا عرف معتبر ہے اور حاکم وقت کا اعتبار ہے، وہ جتنا رد و بدل دیت میں کرنا چاہتا ہے کرسکتا ہے، برھان ص:۱۱ پر غامدی صاحب دیت سے متعلق کہتا ہے کہ:

''روایات میں اس کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ عرب کے دستور کی وضاحت ہے، اس میں کوئی چیز بھی خود پیغمبر ﷺ کا فرمان واجب الاذعان نہیں ہے۔'' (برھان، ص:۱۱)

غامدی صاحب اپنے منشور کی دفعہ:۳۰ کے تحت مزید لکھتا ہے کہ:

''چنانچہ اسلام نے دیت کی نہ کوئی خاص مقدار ہمیشہ کے لیے متعین کی ہے اور نہ عورت اور مرد اور غلام اور آزاد اور کافر اور مؤمن کی دیتوں میں کسی فرق کی پابندی ہمارے لیے لازم ٹھہرائی ہے۔'' (منشور، ص:۱۸)

**تبصرہ:** دیت کی مقدار کی عدم تعیین کے بارے میں غامدی صاحب غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں، پچھلے صفحات میں جن احادیث کو میں نے پیش کیا ہے ان میں انتہائی صراحت کے ساتھ دیت کی مقدار کا بیان موجود ہے۔ طبقات ابن سعد کے حوالہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی صریح حدیث ہے جس میں دیت کے ایک سو اونٹ کا ذکر موجود ہے، پھر مؤطا مالک میں صریح حدیث ہے جس میں ایک سو اونٹ کا بیان موجود ہے، کتاب

السنہ میں علامہ محمد بن نصر مروزی رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کردہ صریح حدیث ہے جس میں دیت کے ایک سو اونٹ کا ذکر ہے۔

محمد بن عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیت سے متعلق جو خط لکھا تھا اس میں جان کے بدلے ایک سو اونٹ کے علاوہ جسم کے تمام اعضاء کی دیت کا واضح بیان موجود ہے، یہاں تک کہ انسان کے ذکر اور خصیتین کی دیت کی مقدار متعین طور پر موجود ہے۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے، اب نہ معلوم غامدی صاحب اس سے مزید کیا مقدار اور کیا تعیین چاہتے ہیں؟ اسی طرح عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ایک سو اونٹ کی وضاحت موجود ہے جس کو ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ نقل کیا ہے، اس میں ایک سو اونٹ دیت کا ذکر ہے، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تخریج کی ہے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واضح فرمان کو ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے جس میں ایک سو اونٹ دیت کی مقدار کا تعین مذکور ہے۔ میں نے ان احادیث کو متن اور ترجمہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ان تصریحات وتشریحات کے باوجود غامدی صاحب نے اپنے منشور میں جو یہ لکھا ہے کہ اسلام نے ہمیشہ کے لیے دیت کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں کی ہے، یہ غامدی صاحب کی انتہائی گمراہی ہے اور ان کی بہت بڑی خیانت اور غلط بیانی اور بہت بڑا دھوکہ ہے جو وہ اپنے پیروکاروں کے ساتھ کر رہے ہیں، وہ غامدی جو اتنا گہرا آدمی ہے کہ بال کی کھال اتارتا ہے کیا ان کی نظروں سے دیت کی اتنی بڑی حقیقت پوشیدہ رہ سکتی ہے؟ کبھی بھی نہیں، البتہ وہ دین اسلام کو ایک نیا رخ دینا چاہتا ہے اور اپنا باطل مطلب حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ دیت کی مقدار کو چھپانے کے لیے عرف کا بگل بجاتا ہے، کبھی دستور اور رواج کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے اور کبھی سبع معلقات اور دیوان حماسہ میں دیت سے متعلق جاہلیت کے اشعار گا گا کر دیت کی مقدار سے راہ فرار اختیار کرتا ہے، یہ اس شخص کا صرف انکار حدیث نہیں بلکہ دین اسلام کی بنیادوں کے اکھیڑنے کے لیے ان کے دل و دماغ میں الحاد اور زندقہ کا ایک جذبہ موجزن ہے، میں ان سے پوچھتا ہوں کہ اگر جاہلیت کے اشعار سے شرعی حکم ثابت ہو جاتا ہے تو ان اشعار میں تو دیت کے علاوہ بھی بہت ساری چیزیں موجود ہیں، پھر اس کو بھی قبول کرو، چنانچہ دیوان حماسہ میں بنو قیس بن ثعلبہ کا ایک شاعر شراب پینے اور خوبصورت لڑکی سے اختلاط کی اس طرح درخواست کرتا ہے:

إنا محيوك يا سلمٰى فحيينا

وإن سقيت كرام الناس فاسقينا

اے سلمٰی! ہم تمہیں محبت کا سلام پیش کرتے ہیں، تم بھی ہمیں محبت کا سلام پیش کرو، اور اگر کبھی تم نے اشراف لوگوں کو شراب پلائی ہے تو ہمیں بھی پلا دو، کیونکہ ہم بھی شرفا لوگ ہیں۔''

غامدی صاحب نے اپنی کتاب ''برھان'' میں شراب کی حد شرعی کا بھی بہت مذاق اڑایا ہے:

''اس سے واضح ہے کہ یہ (شراب کی حد) شریعت ہرگز نہیں ہو سکتی۔'' (ص: ۱۳۸)

''لہٰذا یہ بالکل قطعی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اگر شراب نوشی کے مجرموں کو پٹوایا تو شارع کی

حیثیت سے نہیں، بلکہ مسلمانوں کے حکمران کی حیثیت سے پٹوایا۔‘‘ (برھان: ۱۳۹)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غامدی صاحب نے شراب نوشی کے لیے بھی اوپر مذکور سلمیٰ کے شعر کو بنیاد بنایا ہوگا۔ میں کھلے الفاظ میں کہتا ہوں کہ غامدی صاحب دین اسلام کے مجرم اور دین اسلام کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے والے ہیں اور ان کے نظریات کفر کی سرحدوں تک جا پہنچے ہیں۔ میں غامدی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ تمہیں کونسی وحی آئی جس سے آپ نے اندازہ لگایا کہ فلاں حکم نبی کی نبوت کی حیثیت سے آیا ہے اور فلاں حکم بشری حیثیت سے آیا ہے؟ فلاں حکم نبی کی عربی معاشرت کی وجہ سے آیا ہے اور فلاں حکم نبی کے حاکم ہونے کی حیثیت سے آیا ہے؟ نبی اکرم ﷺ کی ذات کو اس طرح تقسیم کرنے کا آپ کو کس نے اختیار دیا ہے اور آپ کون ہوتے ہیں جو اس طرح فیصلوں کے لیے جج بنے ہوئے ہیں؟

دل چاہتا ہے کہ میں قلم کی نوک کو تلوار بنا کر اس پر چلاؤں، مگر اخلاق کے دائرہ سے نکل نہیں سکتا ہوں، بس اتنا کہتا ہوں کہ اے اللہ! غامدی صاحب اور اس کے متبعین کی فنکاری اور مقالہ نگاری سے اسلام کی حفاظت فرما اور اس فتنہ کو نیست و نابود فرما۔ غامدی صاحب نے اپنی کتاب ’’برہان‘‘ کے ابتدائی دیباچہ میں لکھا ہے کہ اس مجموعۂ مضامین کی تحریریں زیادہ تر معاصر مذہبی فکر کی تنقید میں ہیں، ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں کے لیے گراں بارِ خاطر کا باعث ہو، لیکن:

چمن میں تلخ نوائی میری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

میں غامدی صاحب کی دماغ سوز اور دین اسلام کو مسخ کرنے والی تحریر و تحریف و تزویر سے بھری ہوئی عبارات کے جواب میں اگر بھاری جملے لکھ دوں اور وہ جملے کسی کے لیے بارِ خاطر بن جائیں تو وہ بھی غامدی والا مذکورہ شعر کچھ تصرف کے ساتھ اپنے لیے تسکین خاطر کا ذریعہ بنائے۔

قلم میں تلخ نوائی میری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

## لو بھائی! غامدی صاحب نے دیت سے چھٹی دِلا دی

غامدی صاحب نے پہلے دیت کی مقدار میں تعین کا انکار کر دیا۔ اب دیکھئے! وہ دیت کے قانون پر جھاڑو پھیر کر چھٹی دلا رہا ہے، چنانچہ برہان میں وہ لکھتا ہے: ’’ہمارے معاشرے میں دیت کا کوئی قانون چونکہ پہلے سے موجود نہیں ہے، اس وجہ سے ہمارے ارباب حل وعقد کو اختیار ہے کہ چاہیں تو عرب کے اس دستور کو برقرار رکھیں اور چاہیں تو اس کی کوئی دوسری صورت تجویز کریں وہ جو صورت بھی اختیار کریں گے اور معاشرہ اسے قبول کر لیتا ہے تو ہمارے لیے وہی معروف قرار پائے گی، پھر معروف پر مبنی قوانین کے بارے میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ حالات اور زمانے کی تبدیلی سے ان میں تغیر کیا جا سکتا ہے اور کسی معاشرے کے ’’اولی الامر‘‘ اگر چاہیں تو اپنے اجتماعی

مصالح کے لحاظ سے انہیں نئے سرے سے مرتب کر سکتے ہیں۔'' (برھان ص:۱۹)

اس عبارت میں غامدی صاحب دیت کے معروف اور دستور اور رواج کی اصطلاحات سے ترقی کر کے آگے چلے گئے کہ اس معروف اور دستور کے مطابق والی دیت کو بھی وقت کے حکمران بدل سکتے ہیں اور مثلاً پرویز مشرف اور عبدالرحمٰن ملک کو اس میں ہر تغیر کا اختیار حاصل ہے۔

## مرد اور عورت کی دیت میں فرق کا ثبوت

غامدی صاحب نے اپنے منشور کے دفعہ:۳ کے آخر میں لکھا ہے:

''اور اسلام نے نہ عورت اور مرد اور غلام اور آزاد اور کافر اور مؤمن کی دیتوں میں کسی فرق کی پابندی ہمارے لیے لازم ٹھہرائی ہے۔ (منشور:ص:۱۷،۱۸)

غامدی صاحب نے اس عبارت میں غلط بات کہی ہے، اسلام میں ان مذکورہ اشخاص کی دیت میں یقیناً فرق ہے، ملاحظہ فرمائیں:

چنانچہ سنن کبریٰ میں امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے:

''عن إبراهيم النخعي رحمه الله عن عمر بن الخطابؓ وعلي بن أبي طالبؓ أنهما قالا: عقل المرأة على النصف من دية الرجل في النفس وفيما دونهما۔''

(سنن الکبریٰ للبیہقی: ج:۸،ص:۹۶، وکتاب الحجۃ از امام محمدؒ، ج:۴،ص:۲۸۴)

''ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں کا یہ قول ہے کہ عورت کے قتل نفس اور زخموں کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے۔''

تفسیر نیشاپوری یعنی تفسیر غرائب القرآن میں دیت کی سورۂ نساء کی آیت:۹۲ کی تفسیر میں لکھا ہے:

''إن دية المرأة نصف دية الرجل بإجماع المعتبرين من الصحابةؓ۔'' (تفسیر نیشاپوری)

''بیشک عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے اور اس پر معتبر صحابہؓ کا اجماع ہے۔''

علامہ ابن رشدؒ نے عورت کی دیت' مرد کی دیت کے نصف ہونے پر ائمہ اربعہؒ کا اتفاق نقل کیا ہے:

''أما دية المرأة فإنهم اتفقوا على النصف من دية الرجل في النفس فقط'' (بدایۃ المجتہد، ج:۲،ص:۳۱۵)

''باقی رہا عورت کی دیت کا معاملہ تو اس بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے۔''

علامہ عبدالقادر عودہ شہید رحمۃ اللہ علیہ ''التشریع الجنائی، جلد اول، صفحہ:۶۶۹'' میں لکھتے ہیں:

''ومن المتفق عليه أن دية المرأة على النصف من دية الرجل في القتل۔''

''اس امر پر امت کا اتفاق ہے کہ قتل خطأ کی صورت میں عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہوگی۔''

ائمہ احناف میں سے مفسرین، اصحاب الفتاویٰ اور اصحاب الفقہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے مقابلے میں آدھی ہے۔ ہدایہ، عنایہ، بنایہ، کفایہ، کنز الدقائق اور قدوری

کی عبارت اس طرح ہے:

’’ودية المرأة علی النصف من دية الرجل فی النفس وفيما دونهٗ ۔‘‘ (بحوالہ کنز الدقائق،۴۸۶)

’’اورعورت کی دیت مرد کی دیت کے مقابلے میں آدھی ہے،خواہ جان میں ہو یا اس سے کم میں ہو۔‘‘

خلاصہ یہ ہے کہ دیت کے بارے میں امت کے فقہاء ومجتہدین ومحدثین ومفسرین ایک طرف ہیں کہ قتل خطأ میں مرد کی دیت ایک سو اونٹ ہیں اورعورت کی دیت اس کی آدھی ہے۔ یہ حضرات احادیث، فتاویٰ اور امت کے اجماع سے استدلال کرتے ہیں اور دوسری طرف غامدی صاحب ہیں جو کھلے الفاظ میں کہتے ہیں کہ دیت کی کوئی معین مقدار نہیں ہے اور نہ عورت اور مرد کی دیت میں کوئی فرق ہے۔ اس طرح غامدی صاحب اجماعِ امت، احادیث مقدسہ اور تمام مفسرین سے مخالف راستہ اختیار کررہے ہیں، اسی لیے ہم اس کہنے میں حق بجانب ہیں کہ جاوید احمد غامدی صاحب غلط بیانی کررہے ہیں اور پوری امت کے علماء پر بہتان باندھتے ہیں اور صریح وصحیح احادیث کا انکار کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس اس دعویٰ پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہ اجتہادی انداز سے جو کچھ بولتے ہیں سب غلط ہے۔ ان کا اجتہاد اس قابل ہے کہ ان کے منہ پر مارا جائے یا ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے یا صحرائی قبرستان میں دفن کیا جائے۔ **(جاری ہے)**



www.banuri.edu.pk

# جانوروں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا کریمانہ برتاؤ

مولانا رفیع الدین حنیف قاسمی (انڈیا)

حضور اکرم ﷺ کی شانِ رحیمی وکریمی نہ صرف یہ کہ انسانوں کے ساتھ مخصوص تھی، بلکہ آپ ﷺ کی شانِ رحمت کی وسعت نے جانوروں کے حقوق کے لیے بھی جدوجہد کی اوران کو اپنے رحم وکرم کے سایہ سے حصہٴ وافرعطا کیا، جانوروں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے برتاؤ اوران کے حقوق کی ادائیگی کی تاکید، ان کے ساتھ بہترین سلوک کی دعوت کی روشنی میں اپنے جانوروں کے ساتھ برتاؤ کا بھی جائزہ لیں کہ کیا ہمارا جانوروں کے ساتھ وہی برتاؤ ہے جس کی تاکید نبی کریم ﷺ نے کی ہے؟ یا ہم جانوروں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لے کر عذاب اور وعیدوں کے مستحق بن رہے ہیں؟ اللہ کا بڑا فضل ہے کہ اللہ عزوجل نے چھوٹے سے لے کر بڑے جانور تک کو ہمارے تابع اور زیردست کردیا ہے، ایک چھوٹا سا بچہ ایک بڑے اونٹ کی مہار تھامے لیے جاتا ہے، یہ بس اللہ عزوجل کی کرم فرمائی اور انسانیت کے ساتھ اس کا فضل ہے کہ ایک بڑے جانور کو ایک چھوٹا بچہ بھی اپنے تابع کیے دیتا ہے، ورنہ یہ ضعیف اور ناتواں انسان کی کیا حیثیت کہ وہ اس قدر بڑے اور قوی ہیکل، تندومند، اس سے کئی کئی گنا بھاری بھرکم جسم وجثہ کے مالک جانوروں کو رام کرسکے؟

## جانوروں میں خیر وخوبی

جانورں کی اہمیت اوران خوبیوں اورخصوصیات کو بتلانے کے لیے یہ بتلا دینا کافی ہے کہ قرآن کریم نے متعدد جانوروں اورحیوانات کا تذکرہ کیا ہے، اتنا ہی نہیں، بلکہ کئی ایک سورتیں جانوروں کے نام سے موسوم ہیں، جیسے: سورۃ البقرۃ (گائے)، الأنعام (چوپائے)، النحل (شہد کی مکھی)، النمل (چیونٹی)، العنکبوت (مکڑی)، الفیل (ہاتھی)۔

اورایک جگہ اللہ عزوجل نے جانوروں کے فوائد وخصائص اوران کے منافع کو یوں بیان کیا:

”اوراس نے چوپائے پیدا کیے، جن میں تمہارے لیے گرم لباس ہیں اوربھی بہت سے منافع ہیں اوربعض تمہارے کھانے کے کام آتے ہیں، ان میں تمہاری رونق بھی ہے جب چرا کرلاؤ تب بھی

اور جب چرانے لے جاؤ تب بھی، اور وہ تمہارے بوجھ ان شہروں تک اٹھالے جاتے ہیں جہاں تم آدھی جان کیے نہیں پہنچ سکتے تھے، یقیناً تمہارا رب بڑا شفیق اور نہایت مہربان ہے۔'' (النحل:۵-۸)

حضور اکرم ﷺ نے بعض جانوروں کے صفاتِ حمیدہ اور اُن کے معنوی اور اخلاقی خوبیوں کے حامل ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ احسان اور سلوک کا حکم کیا ہے، گھوڑے کے تعلق سے فرمایا: ''گھوڑے کے ساتھ روز قیامت تک خیر وابستہ ہے۔'' (مسلم، باب الخیل فی نواصیہا: حدیث: ۴۹۵۵) اور ایک روایت میں فرمایا: ''اونٹ اپنے مالک کے لیے عزت کا باعث ہوتا ہے اور بکری میں خیر و برکت ہے۔'' (ابن ماجہ، باب اتخاذ الماشیہ، حدیث: ۲۳۰۵) اور ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مرغ کو گالی نہ دو چونکہ وہ نماز کے لیے جگاتا ہے۔'' (ابوداؤد، باب ماجاء فی الدیک، حدیث: ۵۱۹۱)

## جانوروں کے ساتھ احسان وسلوک اجروثواب کا باعث

آپ ﷺ نے جانوروں کے ساتھ احسان کا حکم دیا اور اس کو اجروثواب کا باعث بتلایا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: ''بدکار عورت کی بخشش صرف اس وجہ سے کی گئی کہ ایک مرتبہ اس کا گزر ایک ایسے کنویں پر ہوا جس کے قریب ایک کتا کھڑا پیاس کی شدت سے ہانپ رہا تھا اور قریب تھا کہ وہ پیاس کی شدت سے ہلاک ہوجائے، کنویں سے پانی نکالنے کو کچھ تھا نہیں، اس عورت نے اپنا چرمی موزہ نکال کر اپنی اوڑھنی سے باندھا اور پانی نکال کر اس کتے کو پلایا، اس عورت کا یہ فعل بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوا اور اس کی بخشش کردی گئی۔'' (مسلم، باب فضل ساقی البہائم، حدیث: ۵۹۹۷)

ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! میں اپنے حوض میں پانی بھرتا ہوں اپنے اونٹوں کو پانی پلانے کے لیے، کسی دوسرے کا اونٹ آکر اس میں سے پانی پیتا ہے تو کیا مجھے اس کا اجر ملے گا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر تر جگر رکھنے والے میں اجروثواب ہے۔''

(مسند احمد، مسند عبداللہ بن عمروؓ، حدیث: ۲۰۷۵)

## جانوروں کے ساتھ بدسلوکی پر آنحضرت ﷺ کی ذکر کردہ وعیدیں

نبی کریم ﷺ نے جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید اور بدسلوکی کو عذاب وعقاب اور سزا کی وجہ گردانا اور انتہائی درجہ کی معصیت اور گناہ قرار دیا اور انسانی ضمیر جھنجوڑنے والے سخت الفاظ استعمال فرمائے، چنانچہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ایک عورت کو اس لیے عذاب دیا گیا کہ وہ بلی کو باندھ کر رکھتی تھی، نہ کھلاتی نہ پلاتی اور نہ اس کو چھوڑ دیتی کہ چر چگ کر کھائے۔'' (مسلم، باب تحریم قتل الہرۃ، حدیث: ۵۹۸۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ایک گدھا گزرا، جس کے منہ پر داغا گیا تھا، آپ ﷺ نے اس کو دیکھ کر فرمایا: اس شخص پر لعنت ہو جس نے اس کو داغا



www.banuri.edu.pk

ہے۔'' (مسلم: باب النہی عن ضرب الحیوان فی وجہہ، حدیث:۵۶۷۴) اور ایک روایت میں ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے چہرے پر مارنے اور داغنے سے منع فرمایا ہے۔'' (مسلم: باب النہی عن ضرب الحیوان فی وجہہ، حدیث:۵۶۷۴) اور ایک روایت میں ہے کہ ''غیلان بن جنادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس اونٹ پر آیا جس کی ناک کو میں نے داغ دیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے جنادہ! کیا تمہیں داغنے کے لیے صرف چہرے کا عضو ہی ملا تھا، تم سے تو قصاص ہی لیا جائے۔'' (مجمع الزوائد، باب ما جاء فی وسم الدواب، حدیث:۱۳۲۴۳)

## جانوروں کو لڑانے، چھیڑ خوانی کرنے پر آنحضرت ﷺ کی ممانعت

آپ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ گھریلو جانورں کے ساتھ بدسلوکی اور بے جا مار پیٹ کی ممانعت کی، بلکہ غیر پالتو جانوروں کو بھی بے جا پریشان کرنے اور ان سے چھیڑ خوانی کو منع فرمایا:

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کو آپس میں لڑانے سے منع فرمایا ہے۔'' (ترمذی: باب کراہیۃ التحریش بین البہائم: حدیث:۱۷۰۹) حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: ''ایک مرتبہ ہم لوگ رسول کریم ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھے، جب ایک موقع پر آنحضرت ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے تو ہم نے ایک چڑیا کو دیکھا جس کے ساتھ دو بچے تھے، ہم نے ان دونوں بچوں کو پکڑ لیا، اس کے بعد چڑیا آئی اور اپنے بچوں کی گرفتاری پر احتجاج کرنے لگی، جب نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے، آپ ﷺ نے حمرہ کو اس طرح بیتاب دیکھا تو فرمایا کہ کس نے اس کے بچوں کو پکڑ کر اس کو مضطرب کر رکھا ہے؟ اس کے بچے اس کو واپس کر دو۔'' (ابوداؤد: باب فی کراہیۃ قتل الذر، حدیث ۵۲۶۸)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: ''ان کا گزر قریش کے چند نوجوانوں کے پاس سے ہوا جو کسی پرندہ یا مرغی کو نشانہ بنا رہے تھے، حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو دیکھا تو وہ وہاں سے منتشر ہو گئے، اور فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو کسی جاندار چیز کو باندھ کر اس پر نشانہ لگائے۔'' (مسلم: باب النہی عن صبر البہائم، حدیث:۱۹۵۷)

حضرت مقداد بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے چوپایوں کے چہرے پر مارنے سے منع فرمایا ہے۔'' (مجمع الزوائد: باب النہی عن الضرب علی الوجہ والنہی عن سبہ)

## مذبوح جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید

آپ ﷺ نے ذبح کیے جانے والے جانوروں کے ساتھ بھی حسن سلوک کی تاکید فرمائی: ''جب تم ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو، اپنی چھری کو تیز کرلو اور جانور کو آرام دو'' (ترمذی: باب النہی عن المثلۃ، حدیث:۱۴۰۹) امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''جانور کے ساتھ احسان اور بھلائی یہ ہے کہ اس کو مذبح تک کھینچ کر نہ لے جایا جائے۔'' (مجلۃ الجامعۃ الاسلامیۃ، حقوق الحیوان، ج:۱۱، ص:۴۶۱)

فقہاء نے ذابح کو ذبیحہ کے سامنے چھری تیز کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس کو بری طرح سے لٹانے سے منع کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بکری کو لٹایا اور اپنی چھری کو تیز کرنے لگا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس کو دو موت مارنا چاہتے ہو؟ کیوں تم نے اپنی چھری کو اس کے لٹانے سے پہلے تیز نہیں کرلیا؟ (مستدرک حاکم، کتاب الذبائح، حدیث: ۷۵۷۰)

ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! جب میں بکری کو ذبح کرتا ہوں تو مجھے اس پر رحم آتا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم بکری پر رحم کرتے ہو تو خدا تم پر رحم کرے گا۔

(مجمع الزوائد، باب النہی عن صبر الدواب والتمثیل بہا، حدیث: ۶۰۲۹)

حضرت حین بن عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ فرمایا کہ: ایک قصاب نے بکری کو ذبح کرنے کے لیے اس کے کوٹھے کا دروازہ کھولا تو وہ بھاگ پڑی، اس نے اس کا پیچھا کیا اور اس کو اس کے پیر سے کھینچ کر لانے لگا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے قصاب! اس کو نرمی سے کھینچ لاؤ۔''

(مصنف عبد الرزاق، باب سنۃ الذبح، حدیث: ۸۶۰۹)

## موذی جانوروں کو مارنے میں آنحضرت ﷺ نے اِحسان کا حکم کیا

آپ ﷺ نے موذی اور تکلیف دہ جانوروں کو مارنے کا حکم ضرور دیا ہے، مثلاً: سانپ، بچھو، وغیرہ، لیکن ان کے مارنے میں بھی احسان اور بھلائی کا حکم آپ ﷺ نے کیا ہے: اللہ نے ہر چیز میں احسان کرنا فرض کیا ہے، اس لیے جب تم لوگ کسی جانور کو مارو تو اچھے طریقے سے مارو اور جب ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو۔'' (مسلم، باب الأمر باحسان الذبح، حدیث: ۱۹۵۵)

آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کس نے جلایا؟ ہم نے کہا: ہم نے جلایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کسی کے لیے یہ بات مناسب نہیں کہ وہ آگ سے تکلیف پہنچائے سوائے آگ کے پیدا کرنے والے کے۔ (ابوداؤد، باب فی کراہیۃ حرق العدو بالنار)

رسول اللہ ﷺ نے چھپکلی کو مارنے کا حکم فرمایا ہے، لیکن اس کے مارنے میں بھی نرمی اور احسان کا حکم کیا ہے، اس کو ایک ہی وار میں مارے، اس کو متعدد مار میں مارنے پر کم اجر حاصل ہونے کی بات ارشاد فرمائی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے چھپکلی کو پہلی ضرب میں مار ڈالا تو اس کے لیے اتنی اتنی نیکیاں ہیں۔ (مسلم: باب استحباب قتل الوزغ، حدیث: ۲۲۳۹۰)

اور جس نے اُسے دوسری ضرب سے مارا، اس کے لیے اتنی اتنی نیکیاں ہیں، مگر پہلی دفعہ مارنے والے سے کم اور اگر اس نے تیسری ضرب سے مارا تو اس کے لیے اتنی اتنی نیکیاں ہیں، لیکن دوسری ضرب سے مارنے والے سے کم۔

مسلم کی روایت میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جو

شخص گرگٹ کو ایک ہی وار میں مار ڈالے، اس کے لیے سو نیکیاں لکھی جائیں گی، دوسرے وار میں اس سے کم اور تیسرے وار میں اس سے بھی کم نیکیاں لکھی جائیں گی۔ (مسلم، باب استحباب قتل الوزغ، حدیث: ۲۲۴۰)

## جانوروں کی سواری کرنے میں بھی حسن سلوک کا خیال رہے

جانور سواری کے لیے ضرور ہیں، یہ حمل ونقل کا ذریعہ بھی ہیں، اسی کو اللہ عزوجل نے فرمایا: ''لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ''طویل سفر میں اس کے لیے آرام لینے اور چرنے چگنے کا موقع فراہم کرنے کو کہا ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم سبزہ والی زمین میں سفر کرو تو اونٹوں کو ان کا حصہ دو۔'' (مسلم: باب مراعاۃ مصلحۃ الدروس، حدیث: ۱۹۲۶) یعنی اثنائے راہ اگر ہریالی نظر آئے تو ان کو کچھ چرنے اور آرام لینے کا موقع دو، بھوکا، پیاسا مسلسل چلا کر ان کو نہ تھکاؤ۔

ایک جانور پر تین آدمیوں کو سوار ہونے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

(مسلم: باب فضائل عبداللہ بن جعفرؓ، حدیث: ۲۴۲۸)

ابن ابی شیبہؒ کی روایت میں ہے کہ انہوں نے تین لوگوں کو خچر پر سوار دیکھا تو فرمایا: ''تم میں سے ایک شخص اتر جائے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تیسرے شخص پر لعنت فرمائی ہے۔''

(مصنف ابن ابی شیبہ، من کرہ رکوب ثلثۃ علی الدابۃ، حدیث: ۲۶۳۸۰)

یہ اُس صورت میں ہے، جب کہ وہ جانور تین آدمیوں کے بوجھ کو اٹھانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، اگر استطاعت رکھتا ہو تو جائز ہے۔ (فتح الباری، ج:۱۲، ص: ۵۲۰)

رسول اللہ ﷺ نے جانور پر اس طرح کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے کہ جس سے اس کو تکلیف ہو۔ سنن ابی داؤد میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ: ''آپ ﷺ نے فرمایا: جانوروں کی پشت کو منبر نہ بناؤ۔'' (ابوداؤد، باب فی الوقوف علی الدابۃ، حدیث: ۲۵۶۷)

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو محض اس لیے تمہارے تابع کیا ہے کہ وہ تمہیں ان شہروں اور علاقوں میں پہنچادیں جہاں تم (پیدل چلنے کے ذریعہ) جانی مشقت ومحنت کے ساتھ ہی پہنچ سکتے تھے، یعنی جانوروں سے مقصود ان پر سواری کرنا اور ان کے ذریعہ اپنے مقصد کو حاصل کرنا ہے، لہٰذا ان کو ایذا پہنچانا رَوا نہیں ہے۔ جس جانور کی خلقت سواری کے لیے نہیں ہوئی جیسے گائے وغیرہ تو ان کی سواری کرنا جائز نہیں۔

## جانوروں پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہ لادیں

جانور پر اس کی طاقت اور قوت سے زیادہ بوجھ لادنا جائز نہیں، اس کو نبی کریم ﷺ نے سختی سے منع فرمایا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس بات کا علم تھا کہ جو شخص جانور پر اس کی طاقت اور قوت سے زیادہ بوجھ لادے گا تو اس کو روزِ قیامت حساب کتاب دینا ہوگا، حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ''انہوں نے اپنے اونٹ سے کہا: اے اونٹ تم اپنے رب کے یہاں میرے سلسلہ میں مخاصمہ نہ کرنا، میں نے تم پر

تمہاری طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں لادا۔‘‘ (احیاء علوم الدین، الباب الثالث فی الآداب، ج:۱، ص:۲۶۴)

’’ایک دن نبی ﷺ کسی انصاری کے باغ میں داخل ہوئے، اچانک ایک اونٹ آیا اور آپ ﷺ کے قدموں میں لوٹنے لگا، اس وقت اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، نبی کریم ﷺ نے اس کی کمر پر اور سر کے پچھلے حصے پر ہاتھ پھیرا جس سے وہ پرسکون ہوگیا، پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ تو وہ دوڑتا ہوا آیا، آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: ’’اس کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری ملکیت میں کر دیا ہے، اللہ سے ڈرتے نہیں؟ یہ مجھ سے شکایت کر رہا ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور اس سے محنت ومشقت کا کام زیادہ لیتے ہو۔‘‘ (ابوداؤد، باب مایؤ مر بہ من القیام، حدیث:۲۵۴۹)

حضرت سہل ابن حنظلہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ’’رسول کریم ﷺ ایک اونٹ کے قریب سے گزرے تو دیکھا کہ بھوک وپیاس کی شدت اور سواری وبار برداری کی زیادتی سے اس کی پیٹھ پیٹ سے لگ گئی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان بے زبان چوپایوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان پر ایسی حالت میں سواری کرو جب کہ وہ قوی اور سواری کے قابل ہوں اور ان کو اس اچھی حالت میں چھوڑ دو کہ وہ تھکے نہ ہوں۔‘‘ (ابوداؤد، باب مایؤ مر بہ من القیام، حدیث:۲۵۴۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ’’رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی بیل پر بوجھ ڈالے ہوئے اُسے ہانک رہا تھا کہ اس بیل نے اس آدمی کی طرف دیکھ کر کہا کہ میں اس کام کے لیے پیدا نہیں کیا گیا ہوں، بلکہ مجھے تو کھیتی باڑی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ لوگوں نے حیرانگی اور گھبراہٹ میں سبحان اللہ کہا اور کہا: کیا بیل بھی بولتا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تو اس بات پر یقین کرتا ہوں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی یقین کرتے ہیں۔‘‘ (مسلم، باب فضائل أبی بکرؓ، حدیث:۲۳۸۸)

اس حدیث سے بھی پتہ چلا کہ جانور پر اس کی طاقت سے زیادہ اور مقصدِ خلقت کے علاوہ دوسرے کاموں کے لیے اس کا استعمال نہ کیا جائے۔

## خلاصۂ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان آیات واحادیث کی روشنی میں جانوروں کے اہمیت وخصوصیت اور ان کے منافع کا پتہ چلتا ہے اور جانوروں کے تعلق سے آپ ﷺ کے اسوہ اور نمونہ کا بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے قدم بقدم جانوروں کے ساتھ رحم وکرم کا حکم دیا ہے، نہ صرف گھریلو اور پالتو جانوروں، بلکہ غیر پالتو جانوروں کے ساتھ بھی حسن سلوک کی تاکید کی ہے، نقصان دہ اور ضرر رساں جانوروں کو بھی کم مار میں مارنے کا حکم دیا ہے اور مذبوحہ جانوروں کے ساتھ بھی بے رحمانہ سلوک سے منع کیا ہے اور جانوروں پر بوجھ کے لادنے اور سواری میں بھی ان کے چارہ پانی کی تاکید کی ہے اور زیادہ بوجھ لادنے اور زیادہ افراد کے سوار ہونے سے منع کیا ہے۔ **(بشکریہ ماہنامہ دارالعلوم، دیوبند)**

# حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

## اور ان کے بیش قیمت اِفادات

مولانا عبیدانور شاہ قیصر (انڈیا)

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ایک نادرۂ روزگار شخصیت تھے۔ ان کی ذاتِ گرامی ان صاحبِ کمال افراد میں سے تھی جن پر زمانہ رشک کرتا اور تاریخ فخر محسوس کرتی ہے۔ وہ ان اوصاف وکمالات کے جامع تھے جن کا اجتماع کسی ایک ذات میں شاذ ونادر ہوا کرتا ہے۔ صدیوں میں ان جیسی ہشت پہلو شخصیت پیدا ہوتی اور قرطاسِ عالم پر ایسے نقوش مرتسم کر جاتی ہے جو ہمیشہ تابندہ رہتے ہیں اور راہِ عمل کا ہر مسافر اُن کی روشنی میں اپنا سفر جاری رکھتا اور منزل کا نشان پاتا ہے۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ ساز شخصیت گراں مایہ اوصاف کا مجموعہ تھی۔ دستِ ازل نے ان پر خصوصی فیض رسانی کی تھی۔ وہ ذہانت وذکاوت، فکری استقامت، قوتِ ارادہ، جذبۂ عمل، ہمت وجواں مردی، وسعتِ نظر، اخلاص وللّٰہیت، انکساری وسادگی جیسے گلہائے رنگا رنگ کا حسین گلدستہ تھے۔ تعصب سے پاک، ہر بابصیرت شخص ان کے کمالات کا معترف اور علمی وفکری امتیازات کا قصیدہ خواں رہا ہے۔ ان کے افکار ونظریات نے ایک جہاں کو متأثر کیا اور حرکت وعمل کی قوت فراہم کی ہے۔ ان کے خوانِ بصیرت سے خوشہ چینی کرنے والوں نے انفرادی واجتماعی حیات میں کارہائے نمایاں انجام دیے اور نہایت دوررَس، دیرپا اور مثبت اثرات مرتب کیے ہیں۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خداداد بصیرت سے علمِ کلام کے میدان میں جو زرّیں خدمات انجام دی ہیں وہ انتہائی اہمیت وعظمت کی حامل ہیں۔ علمِ کلام دراصل دو چیزوں: اثبات ونفی کا نام ہے، یعنی: فلسفیانہ اور عقلی گمراہیوں کی تردید ونفی اور عقائدِ اسلام کا اثبات۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے ٹھوس انداز اور استدلال کی جدت وندرت کے ساتھ عقائدِ اسلامیہ کو دلائلِ عقلیہ سے مبرہن کیا اور عقلی وفکری شکوک وشبہات کا ازالہ فرمایا ہے۔ صانع وخالق کی ضرورت، خدا کی وحدانیت، شرک کا بطلان، رسالت ونبوت، تخلیقِ انسان، فلسفۂ جرم وسزا، قیامت کی حقیقت وضرورت، وغیرہ جیسے سینکڑوں بنیادی مسائل پر نہایت مدلل اور مکمل گفتگو فرمائی ہے۔ امثال وشواہد، خارجی دلائل اور روزمرہ کے مشاہدات

پر مبنی متدلات کے ذریعہ ان نازک مسئلوں کی تفہیم میں آسانی پیدا کر دی ہے۔ انوکھے طرزِ استدلال اور گفتگو کے البیلے انداز کی بنا پر ان کا کلام ہر صاحبِ عقل و ہوش کو اپیل کرتا ہے اور وہ غیر شعوری طور پر اسلامی نظریات کے حسن و خوبی اور سچائی کا قائل ہو جاتا ہے۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ''البیلے انداز'' پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حقائق قرآن و حدیث کو ایسے استدلالی اور منطقی طرز بیان سے زمانے کے سامنے پیش کیا جیسے وہ اس زمانے کے حسبِ حال ایک مضبوط اور مستحکم ازم پیش کر رہا ہے، جس کا ظاہری عنوان ابتداءً نہ اعلانِ مذہب ہے نہ اطلاعِ غیب، مگر انتہاءً وہی مذہب اور عقیدۂ غیب ہے، مگر اس ڈھنگ سے جیسے وہ خالص ایک فلسفیانہ ازم کی تلقین ہے کہ اس کے مانے بغیر نہ اس دور کی معاشرت صحیح اسلوب سے چل سکتی ہے، نہ سیاست و مدنیت اور نہ ہی مابعد الموت کی زندگی استوار اور کامیاب ہو سکتی ہے۔ اس لیے اس نے ایک نئے حیاتی فلسفہ و حکمت کی بنیاد ڈالی، ہم اسی شخصیت کو حضرت قاسم العلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔''(۱)

درحقیقت حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے کلامی مسائل میں جس طرز پر بحث فرمائی ہے اور جس جدت و عمدگی کے ساتھ اپنی بات پیش کی ہے وہ آپ کا امتیازِ خصوصی ہے۔ آپ کے پیش کردہ دلائل و براہین کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ ان میں عصر حاضر کے تقاضوں کو پورا کرنے اور جدید ذہن پر اثر انداز ہونے کی بھرپور صلاحیت ہے۔ زبان کے قدیم رنگ سے قطع نظر جس میں تبدیلی کا در آنا ناگزیر ہے، یہ دلائل و شواہد آج بھی تابناک، حیات بخش اور حیات آفریں ہیں۔ ضرورت محض اس بات کی ہے کہ آپ کی کتابوں میں بکھرے ہوئے ان آبدار موتیوں کو جدید اسلوب میں ڈھال کر از سرِ نو طبع کیا جائے۔ بلاشبہ اس زمانے میں اسلام کی خدمت کا یہ انتہائی وسیع اور وقیع گوشہ ہے، جس سے پہلو تہی کو کسی طور پر رَوا نہیں رکھا جا سکتا۔

زیرِ نظر مضمون میں آپ کے چند عالی افادات کو مذکورہ جہت سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس میں کسی خاص موضوع کا لحاظ ہے، نہ اصل الفاظ کی پیروی اور التزام، بلکہ حضرت نانوتویؒ کی غرض و مقصود کی تفہیم و تسہیل اور آسان زبان میں اس کی تعبیر و ترسیل کا اہتمام کیا گیا ہے۔ مفہوم و معانی حضرت نانوتویؒ کے ہیں، الفاظ کا پیرہن، ترتیب کا آہنگ اور بین القوسین کی وضاحت راقم کے قلم سے۔

## تخلیقِ انسانی کا مقصد

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ انسان کی تخلیق کے مقصد پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''انسان کے علاوہ اس کائنات کی تمام موجودات زمین، ہوا، پانی، چاند، سورج سب انسان کے لیے کار آمد ہیں، ان میں سے کوئی چیز بھی غیر موجود ہو تو انسانی حیات مشکلات کا شکار ہو جائے، اگر درخت، جانور وغیرہ نہ ہوں تو ہمارا بڑا حرج لازم آئے،

لیکن اگر خود انسان کو دیکھیں تو اس کے نہ ہونے سے مذکورہ اشیاء میں کسی چیز پر کوئی فرق نہیں پڑتا، نہ کسی کا نقصان لازم آتا ہے۔ معلوم ہوا کہ انسان ان میں سے کسی چیز کے لیے پیدا نہیں ہوا، تو یقیناً وہ (ماسوائے عالم) خالق کے کام کے لیے پیدا ہوا ہوگا، ورنہ لازم آئے گا کہ خالقِ حکیم نے بے ضرورت اور عبث ہی انسانوں کو پیدا کر دیا ہے (اور یہ بات محال ہے، اور انسان کے خالق کے لیے کارآمد ہونے کا مطلب اس کے سوا کیا ہوسکتا ہے کہ انسان کی صفتِ عبودیت کے ذریعہ خالق کی صفتِ مالکیت کا ظہور ہو، لہٰذا انسان کی تخلیق کا مقصدِ اصلی خالق کا عرفان وعبادت ہے)۔‘‘(۲)

مذکورہ اقتباس اور اس میں پیش کردہ (مشاہداتی) دلائل اور طرزِ بیان میں غور کرنے سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علمِ کلام سے متعلق حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے سابق میں ذکر کردہ کلام کی حقیقت ومعنویت بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے تخلیقِ انسان کے مقصد پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاداتِ ربانی: ’’هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِیْ الْأَرْضِ جَمِیْعًا الخ۔‘‘(۳) اور ’’أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاکُمْ عَبَثًا وَّأَنَّکُمْ إِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۔‘‘(۴) کے مفہوم وشرح کو مثالوں سے واضح کر کے جس معروضی انداز میں پیش کیا اور اس سے ’’وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ‘‘(۵) کے مدعا کا اثبات فرمایا ہے، وہ بے مثال ہے۔

## رسالت کی ضرورت

رسالت کی ضرورت پر کلام کرتے ہوئے ابتداءً خدا تعالیٰ کی حاکمیت مختلف دلائل سے ثابت کرتے ہیں (جن میں سے ایک دلیل ’’تخلیقِ انسان کا مقصد‘‘ کے عنوان سے ماقبل میں مذکور ہے) پھر فرماتے ہیں:

’’۱:.....جب خدا تعالیٰ کو حاکم، قابلِ اطاعت اور محبوب مان لیا گیا تو اس کی رضامندی کا حصول ہم سب کے ذمہ فرض ہوا۔ مگر وہ کس امر سے راضی ہے اور کن امور سے ناراض یہ بات بغیر اس کے نہیں معلوم ہوسکتی کہ خداوندِ قدوس اپنی رضا اور ناراضگی خود بیان فرمادے۔ اور خود اس ربِ دو جہاں کا اطلاع دینا اس لیے ضروری ہے کہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ انسان ایک دوسرے کی رضا اور عدمِ رضا بغیر بتلائے نہیں جان سکتا، ہمارا جسم نگاہوں کے سامنے موجود ہے، لیکن اگر ہم کسی کا سینہ چیر کر اس کے دل کو ٹٹولیں تو بھی دل کی بات معلوم نہیں ہوسکتی، پھر خدا تعالیٰ - جو نگاہوں سے اوجھل اور لطیف ہے - اس کی رضا اور عدمِ رضا اس کے بتائے بغیر کیسے معلوم ہوسکتی ہے!؟

۲:..... یہ بات بھی معلوم ومشاہد ہے کہ حاکم کبھی گھر گھر جا کر اپنا حکم بیان نہیں کیا کرتا،

سلاطینِ عالم - جن کی بادشاہت چندروزہ، ناقص اور محدود ہے- اس کے رَوادار نہیں کہ ہر ہر شخص کو پکڑ کر اپنا حکم سنائیں، پھر خدا تعالیٰ - جس کی بادشاہت لم یزل ولا یزال، کامل واکمل اور غیر محدود ہے- کے بارے میں یہ تصور کیسے کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی بات ہر کہہ ومہہ سے کہتا پھرے، بلکہ یقیناً وہ اپنے خاص، مقرب بندوں ہی کو یہ شرف بخشے گا کہ وہ اس کے پیغام کو اس سے حاصل کریں اور پھر دوسروں تک پہنچائیں۔

پہلے اقتباس کا خلاصہ: خدا تعالیٰ کی مرضی اس کے بغیر بتلائے معلوم نہیں ہوسکتی۔ دوسرے اقتباس کا خلاصہ: خدا تعالیٰ ہر فرد کو اپنا حکم نہیں سناتا، بلکہ اس کا پیغام اس کے کچھ خاص بندے ہی تمام عالم تک پہنچاتے ہیں۔ ان دونوں امور سے ایسے انسان کا وجود اور ضرورت ثابت ہوجاتی ہے جو مذکورہ کام انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہو (شرعی اصطلاح میں) اسی کو نبی اور رسول، اور اس کے منصبِ خاص کو رسالت کہتے ہیں۔ (۶)

یہاں بھی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ بیان ندرت کا حامل اور بے حد دل آویز ہے۔ ادنیٰ تأمل سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ اس پوری تقریر کا مأخذ قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

''مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَآءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ۔''(۷)

ہندوؤں کے مشہور مذہبی پیشوا پنڈت دیانند سرسوتی نے ۱۲۹۵ھ کے قریب رُڑکی میں برسرعام اسلام پر اعتراضات کا بازار گرم کررکھا تھا، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے پنڈت جی کے ساتھ مباحثہ ومناظرہ کے انعقاد کی کوشش کی، مگر پنڈت جی کسی طور پر تیار نہ ہوئے، ادھر سے جس قدر مطالبہ بڑھتا گیا، اسی قدر پنڈت جی کی جانب سے ٹال مٹول اور حیلوں، بہانوں میں اضافہ ہوتا رہا، قصہ کوتاہ پنڈت جی اچانک منظر نامہ سے غائب وفرار ہوگئے، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ازخود تین دن تک پنڈت جی کی جانب سے اسلام پر عائد کردہ اعتراضات پر خطاب فرمایا اور ان کے بیخ وبن اُکھاڑ کر رکھ دیئے، اور اسلام کی حقانیت کو آفتاب نصف النہار کی طرح واضح فرمادیا:

ان اعتراضات میں سے ایک مشہور اعتراض یہ تھا کہ:

''مسلمان کہتے ہیں کہ خدا قادرِ مطلق ہے، لیکن خدا اپنے آپ کو مار نہیں سکتا اور نہ چوری کرسکتا ہے، اس لیے وہ قادر مطلق نہیں۔''

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اعتراض کا جو لطیف ومتین جواب دیا ہے وہ آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جب کبھی کوئی فعل وجود میں آتا ہے تو وہ وہاں ایک فاعل (مؤثر) ہوتا ہے اور ایک مفعول (منفعل)، پھر کبھی فاعل اور مفعول میں اپنی اپنی صفت کمال درجہ کی پائی جاتی ہے

یعنی فاعل کامل طور پر مؤثر ہوتا ہے (کامل تاثیر کی صلاحیت رکھتا ہے) اور مفعول کامل طور پر منفعل ہوتا ہے (فاعل کے اثر کو قبول کرنے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے) مثلاً آفتاب زمین کو منور کرنے میں (قمر و کواکب کے بالمقابل) سب سے کامل و مکمل ہے اور آئینہ اس اثر کو قبول کرنے (منور ہونے) میں (شجر و حجر وغیرہ کے بالمقابل) کامل اور مکمل ہے، کبھی کسی جانب میں یہ صفات نقصان کے ساتھ پائی جاتی ہیں، مثلاً آفتاب کے مقابل اگر پتھر ہو تو یہاں فاعل کے فعل میں کوئی کمی نہیں، مفعول کی ذات میں نقص ہے اور اسی طرح اگر آئینہ کے مقابل قمر یا شمع وغیرہ ہو تو یہاں مفعول میں کوئی کمی نہیں، بلکہ فاعل میں تأثیر کی کمی ہے۔ پہلی صورت میں منفعل کی کمزوری و نقص سے فاعل کا ناقص ہونا لازم نہیں آتا، اسی طرح دوسری صورت میں فاعل کی کمزوری سے مفعول میں نقص لازم نہیں آتا اور کبھی ایک جہت میں صلاحیت بالکل معدوم ہوتی ہے، مثلاً: آفتاب کے مقابل صوت (آواز) یا ہوا ہو تو منور ہونے کی صلاحیت بالکل معدوم ہے، ایسے ہی آئینہ کے مقابل کالا توا ہو تو منور کرنے کی صلاحیت بالکلیہ مفقود ہے، یہاں بھی پہلی صورت میں مفعول کی عدمِ صلاحیت سے فاعل میں اور دوسری صورت میں فاعل کی عدمِ صلاحیت سے مفعول میں کوئی کمی لازم نہیں آتی۔ اب اگر غور کریں تو قادر اور مقدور میں بھی یہ شکلیں متحقق ہیں:

| قادر (فاعلِ قدرت) | مقدور (مفعولِ قدرت) |
|---|---|
| ۱:.....خدا تعالیٰ | ممکنات (دونوں جانب کمالِ صلاحیت ہے) |
| ۲:.....انسان، جن یا فرشتہ | ممکنات (یہاں فاعل کی جانب میں نقص ہے) |
| ۳:.....جمادات | ممکنات (فاعل کی جانب عدمِ صلاحیت ہے) |
| ۴:.....خدا تعالیٰ | ممتنعاتِ ذاتی (محال) (مفعول کی جانب عدمِ صلاحیت ہے) |
| ۵:.....خدا تعالیٰ | ممتنعات لغیرہٖ (مفعول کی جانب نقصانِ صلاحیت ہے) |

نظرِ انصاف سے دیکھیں تو موتِ خداوندی (جسے اعتراض میں قادرِ مطلق کا مفعول ومقدور فرض کیا گیا ہے) ممتنعاتِ ذاتی اور محال والی شکل نمبر:۴ میں داخل ہے اور تقریرِ سابق کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ اس سے قادر کی قدرت میں شمّہ برابر فرق نہیں آتا۔ اسی سے اعتراض کے جزءِ ثانی ''خدا تعالیٰ چوری نہیں کرسکتا'' کا جواب بھی معلوم ہوگیا، اس لیے کہ چوری کے لیے مالِ مسروق یعنی غیر کا مال ہونا ضروری ہے اور یہ کل کائنات تو درحقیقت خدا ہی کی ملک ہے، بندوں کی طرف جو کچھ نسبت ہے محض مجازی اور وقتی ہے۔ تو مالِ غیر خدا کی نسبت سے مفقود ہے اور مفعول کی جانب میں عدمِ محض

ہے، اس سے خدا تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ میں کوئی قصور لازم نہیں آتا۔‘‘(۸)

ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ:

’’مسلمان کہتے ہیں کہ شیطان بہکا کر انسان سے برے کام کراتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ شیطان کو کس نے بہکایا؟ حاصل یہ ہے کہ یہ نظریہ غلط ہے، انسان خود برے کام کرتا ہے۔‘‘

اس کے جواب میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً ایک مختصر الزامی جواب بیان فرمایا ہے جو انتہائی واضح ہے، اس کے بعد تحقیقی طور پر ایک دوسرا جواب دیا ہے، فرماتے ہیں:

’’اوصاف کا ظہور اشیاء میں دو طریقوں پر ہوتا ہے، ایک تو یہ کہ شئے بالذات (اوّل درجہ میں) اس صفت سے متصف ہوگی (یعنی اس کی صفت کسی سے اخذ شدہ نہ ہو بلکہ بالطبع ہو) اس صورت میں اس شئے کو موصوف بالذات اور مصدرِ وصف کہا جاتا ہے۔ دوم یہ کہ اس مصدرِ وصف اور موصوف بالذات سے دیگر اشیاء مستفید ہوتی اور اس صفت سے (درجۂ ثانی میں) متصف ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر وجود ایک وصف ہے، خدا تعالیٰ کی ذات اس سے بالذات موصوف ہے، تو وہ موجود بالذات اور مصدرِ وجود ہے، باقی ہر شئے کا وجود اسی سے مستفید ہے۔ اسی طرح آگ میں حرارت بالطبع اور بالذات ہے تو یہ مصدرِ حرارت ہے اور گرم پانی وغیرہ کی حرارت اسی سے مستفید ہے۔

اب سمجھنا چاہیے کہ وصفِ ضلال بھی من جملہ اوصاف کے ایک وصف ہے، لہٰذا یہاں بھی ایک شئے موصوف بالذات ہوگی اور باقی اشیاء اس سے یہ وصف اخذ کرنے والی ہوں گی، اس مصدرِ ضلال اور موصوف بالذات کو شیطان کہتے ہیں اور جو کوئی اس وصفِ ضلال کو اس مصدر سے لیتا ہے وہ گمراہ کہلاتا ہے (اور جب شیطان وصفِ ضلال ٹھہرا تو اسے بہکانے کوئی کہاں سے آئے گا؟! لہٰذا اعتراضِ مذکور کا لغو ہونا واضح ہوگیا)۔ (۹)

یہ جواب اپنی جگہ مکمل اور ایک حقیقت نفس الامری ہے، مگر اس بات کا امکان ہے کہ کسی کو یہ شبہ ہو جائے کہ اگر شیطان کو مصدرِ ضلال قرار دیتے ہیں تو لازم آتا ہے کہ اس کا یہ وصف خدا تعالیٰ کی جانب سے نہیں ہے، بلکہ اسکا ذاتی وصف ہے، خدا کا پیدا کردہ نہیں ہے اور جب وصفِ ذاتی مخلوق خدا نہیں تو ذات بھی مخلوق خدا میں سے نہ ہوگی، کیوں کہ ذات اور وصفِ ذاتی میں جدائی نہیں ہوتی (لزوم کلی ہوا کرتا ہے) اس سے خود شیطان کی خدائی لازم آتی ہے اور اگر شیطان کا یہ وصف خدا کی جانب سے ہے تو خدا کی برائی لازم آتی ہے۔ اس شبہ کو دفع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’صدور اور خلق میں بڑا فرق ہے، صدور کے لیے ضروری ہے کہ مصدر میں اولاً وہ شئے موجود ہو جس کا اس سے صدور ہو رہا ہے، یعنی مصدر میں صادر کا پایا جانا ضروری ہے اور خلق کے لیے

ضروری ہے کہ پیدا کرنے والے میں وہ شئے اصلاً معدوم ہو جس کو وہ پیدا کر رہا ہے۔

اس فرق کو اس مثال سے سمجھا جاسکتا ہے، مان لیں کہ آفتاب کسی روشن دان کے مقابل اور سامنے ہے، جب اس کی روشنی اور دھوپ روشن دان سے گزرے گی تو زمین پر روشن دان کی ایک نورانی شکل بن جائے گی، اب یہاں دو چیزیں ہیں: ایک دھوپ اور آفتاب کا نور، دوسرے روشن دان کی نورانی شکل۔ ہم دھوپ کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ آفتاب سے صادر ہوئی ہے، مگر اس نورانی شکل کے بارے میں یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ اس کا صدور آفتاب سے ہوا ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ نورِ آفتاب کی طرح یہ شکل بھی اولاً آفتاب ہی کی صفت ہو، البتہ یہ کہنا درست ہے کہ یہ شکل آفتاب کے ذریعہ اور اس کے سبب پیدا ہوئی ہے، اس سے صدور اور خلق کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔

اب یاد رکھنا چاہیے کہ بھلائیاں اور تمام حسنات خدا کی ذات سے صادر ہوئی ہیں اور برائیوں کا اس نے خلق فرمایا ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ بری صورتیں، بری سیرتیں، بول و براز وغیرہ خدا کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور مخلوقِ خدا ہیں (لیکن اس سے ذاتِ خدا میں کوئی برائی لازم نہیں آتی، کیوں کہ خلق ہے، صدور نہیں) اگر یہاں صدور کا اطلاق کیا جاتا تو ان اشیاء کی نسبت بھی خدا کی طرف نہیں کی جاسکتی تھی۔ حاصل کلام یہ کہ (خلق کے معنی کا لحاظ رکھتے ہوئے) یہ بات کہنا بالکل درست ہے کہ شیطان اور اس کی جملہ صفاتِ خدا ہی کی مخلوق ہیں اور اس سے ذاتِ خداوندی میں خرابی لازم نہیں آتی۔'' (۱۰)

مضمون میں ذکر کردہ افادات اس بات پر شاہد عادل ہیں کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو کلامی مسائل میں مجتہدانہ بصیرت حاصل تھی، انہوں نے حقائق شریعت کو منطقیت کی رداء اور معروضیت کی قبا پہنا کر بدیہیاتِ مسلمہ کے طور پر پیش کیا ہے، ان کا کلام روزمرہ کی مثالوں اور مشاہداتی دلیلوں پر مبنی، اغلاق و پیچیدگی سے خالی اور خطیبانہ پیچ وخم سے پاک ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی باتیں دل لگتی اور عقل کی کسوٹی پر کھری اُترتی ہیں۔ ان کا گلستانِ استدلال نو دمیدہ گل بوٹوں سے آراستہ ہے، جن کی زیبائش اور حسن ورعنائی میں ان کے ذہن کی تخلیقی صلاحیتیں جلوہ آراء ہیں۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بجا طور پر فرمایا ہے کہ:

''مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو دینی علوم میں اجتہاد کا مقام حاصل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علمِ کلام اور معارفِ الٰہیہ میں دیدہ وری اور نکتہ سنجی کی غیر معمولی دولت سے نوازا تھا۔'' (۱۱)

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجتہدانہ شان پر حضرت علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ: ''**ختامهٔ مسک**'' کے طور پر ہدیۂ قارئین ہے:

’’آریوں نے جن کو حکومت وقت کی شہ مل گئی تھی اسلامی عقائد والٰہیات پر نیا حملہ شروع کردیا اور عالم کے حدوث وقدوم، ذات وصفات، کلامِ الٰہی، حیات بعد الموت اور تعیین قبلہ اور حیاتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر عقلی اعتراضات کرنے شروع کیے، ان کے جواب میں نہ تو قدیم کلامی دلائل پورے طور پر کارگر تھے، نہ قدیم مقدمات اور قدیم اسلوب مؤثر تھا، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے جواب کے لیے ایک نیا علم کلام تیار کردیا، انہوں نے روزمرہ کی ہلکی پھلکی زبان میں چھوٹی چھوٹی مثالوں اور عام فہم دلیلوں میں بڑے بڑے علمی مسائل سمجھائے، اور بڑے بڑے مباحث کا فیصلہ کیا۔ ’’تقریر دلپذیر‘‘، ’’حجۃ الاسلام‘‘، ’’آبِ حیات‘‘ اور ’’قبلہ نما‘‘ ان کی ذہانت و سلامتِ فہم اور دقیقہ شناسی کا بہترین نمونہ ہیں۔‘‘(۱۲)

## حوالہ جات


۱:.....تاریخ دارالعلوم، مصنفہ سید محبوب رضوی مرحوم، ج:۱،ص:۱۳۳-۱۳۴۔

۲:.....حجۃ الاسلام:ص:۶-۷۔

۳:.....البقرۃ:۲۹۔

۴:.....المؤمنون:۱۱۵۔

۵:.....الذاریات:۵۶۔

۶:.....گفتگوئے مذہبی:۱۸۔ حجۃ الاسلام:۴۴-۴۵۔

۷:.....شوریٰ:۵۱۔

۸:.....انتصار الاسلام،ص:۱۲-۱۵۔

۹:.....انتصار الاسلام،ص:۱۶-۱۸۔

۱۰:.....انتصار الاسلام،ص:۱۸-۱۹۔

۱۱:.....پاجا سراغِ زندگی، مصنفہ: مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ،ص:۱۲۹۔

۱۲:.....پاجا سراغِ زندگی، مصنفہ: مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ،ص:۱۱۰-۱۱۱۔


www.banuri.edu.pk

# وَقتِ دُعا ہے!

مولانا محمد شفیع چترالی

ملک کے شمالی علاقے ایک بار پھر قدرت کی آزمائش سے دوچار ہیں۔ تین ماہ قبل عیدالفطر کے موقع پر ان علاقوں بالخصوص چترال میں تباہ کن سیلاب آیا تھا جس سے بڑے پیمانے پر نقصانات ہوئے تھے۔ اُن دنوں میں چترال میں تھا، ہم کیلاش ویلی کے لیے امدادی سامان کی ترسیل کے سلسلے میں چترال کی مشہور علمی و روحانی ہستی مولانا مستجاب خان رحمۃ اللہ علیہ کے گاؤں ایون گئے۔ وہاں کے مقامی دوستوں اور علماء نے بتایا کہ اس گاؤں میں ایک انتہائی نیک پارسا خاتون رہتی ہیں، یہ خاتون رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف میں بیٹھی تھیں، اس دوران انہوں نے کوئی خواب دیکھا تھا اور پیشنگوئی کی تھی کہ ملک میں پہلے بڑے پیمانے پر سیلاب آئے گا اور کچھ عرصے بعد ایک بڑا زلزلہ بھی آئے گا، لہٰذا لوگ توبہ واستغفار اور رجوع الی اللہ کا اہتمام کریں۔ پیر کے روز ملک کے بالائی حصوں میں شدید زلزلے کی خبر سنتے ہی مجھے یہ بات یاد آگئی، کیا اس خاتون کا یہ خواب محض ایک خواب تھا اور کیا اس خواب کا پورا ہو جانا محض ایک اتفاق ہے؟

اب ۲۶/اکتوبر ۲۰۱۵ء پیر کے روز پاکستان، بھارت اور افغانستان کے شمالی علاقوں میں تاریخ کے تباہ کن زلزلے میں بڑے پیمانے پر جانی و مالی نقصانات کی اطلاعات ملی ہیں۔ ابتدائی اطلاعات کے مطابق سب سے زیادہ نقصانات پاکستان کے صوبہ خیبر پختونخوا بالخصوص مالاکنڈ ڈویژن میں ہوئے ہیں اور ملک کا اکثر حصہ زلزلے کی زد میں آیا ہے۔ سینکڑوں افراد جاں بحق، ہزاروں زخمی ہوئے ہیں، جب کہ ہزاروں مکانات بھی زمین بوس ہوگئے ہیں۔ یوں اکتوبر ۲۰۰۵ء کے زلزلے کو ٹھیک ۱۰/برس مکمل ہونے کے کچھ ہی دن بعد قوم کو ایک بار پھر ایک بڑی آزمائش کا سامنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ملک کے اکثر حصوں میں آنے والے اس شدید اور تباہ کن زلزلے نے پوری قوم کو ہر طرح سے ہلا کر رکھ دیا ہے۔

اس قدرتی آفت کے نتیجے میں سینکڑوں افراد کی ہلاکت انتہائی قابل افسوس امر ہے اور جو

ہزاروں افراد اس سے متأثر ہوئے ہیں وہ بھی ہرطرح کی ہمدردی، تعاون اور امداد کے مستحق ہیں۔ اس عظیم سانحے پر قوم کا بچہ بچہ افسردہ اور سوگوار ہے اور اس امر میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان کے عوام اکتوبر ۲۰۰۵ء کے زلزلے کی طرح اس سانحے کی شدت وسختی کو بھی جلد فراموش نہیں کرسکیں گے۔ تاہم جیسا کہ ظاہر ومعلوم ہے کہ دنیا کے مختلف خطوں میں قدرتی آفات کا نزول پہلے بھی ہوتا رہا ہے اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ ان آفات کی کچھ ارضیاتی، سائنسی، طبعی وجوہ بھی ہوسکتی ہیں جو کہ درحقیقت سبب کے درجے میں ہیں اور اصل قوت جو کائنات میں وقتاً فوقتاً ظہور پذیر ہونے والی ان آفات اور بلاؤں کے پیچھے کارفرما ہوئی ہے وہ قدرت کا وہ ابدی تکوینی نظام ہے جس کی کوئی توجیہ وتاویل انسانی دائرۂ فکر ونظر سے ماوراء ہوتی ہے۔ دورِ حاضر میں انسانی ذہن کے تمام تر ارتقاء، سائنس وٹیکنالوجی کی تمام تر ترقی اور ایجاد واختراع میں خیرہ کن پیش رفت کے باوجود آج بھی دنیا کے کسی بھی حصے میں زلزلوں اور دیگر قدرتی آفات کے وقوع کو روکا جاسکتا ہے، نہ ان سے ہونے والے نقصانات کو بہت زیادہ کم کیا جاسکتا ہے۔

اسلام ہمیں آفات وبلیات کی آزمائش کے وقت صبر وتحمل سے کام لینے، نظم وضبط قائم رکھنے، اپنے اعصاب اور حواس پر قابو رکھنے اور رجوع الیٰ اللہ کی تلقین کرتا ہے۔ بحیثیت قوم یہ ہمارا امتحان ہے کہ ہم اس آزمائش کے موقع پر کس قدر صبر، ہمت اور حوصلے کا مظاہرہ کرپاتے ہیں اور اس کے مزید نقصانات سے جانبر ہونے کے لیے کیا کچھ اقدامات کرتے ہیں۔ اس طرح کے مواقع میں ہمارے آس پاس میں ایک دوسرے کے لیے اور خصوصاً متاثرہ افراد کے لیے جذبۂ تعاون، ہمدردی اور ایثار کا بھی امتحان ہوتا ہے۔ جو نقصان ہونے تھے وہ ہوچکے اور قدرت کے تکوینی نظام میں ہماری قسمت میں جو مزید نقصان لکھے ہوں گے، ان کو بھی ہم نہیں روک سکتے، لیکن اسباب کے درجے میں ہم اب ایک دوسرے کے دکھ بانٹنے اور بالخصوص متاثرہ خاندانوں کو مزید مشکلات میں مبتلا ہونے سے بچانے کے لیے اپنے دائرۂ اختیار میں کام کرنے کی کوشش ضرور کرسکتے ہیں اور اسی کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔

سب سے پہلے تو پوری قوم اور بالخصوص ہماری وفاقی، صوبائی اور نومنتخب مقامی حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ متاثر افراد کی بحالی، جاں بحق ہونے والوں کی تجہیز وتکفین، زخمیوں کے علاج معالجے اور بے گھر ہونے والے افراد کو ریلیف پہنچانے کے سلسلے میں کسی قسم کی کوتاہی کا مظاہرہ نہ کریں۔ ابتدائی اطلاعات کے مطابق حکومت اور پاک فوج نے متاثرہ علاقوں میں امدادی کارروائیاں شروع کردی ہیں اور مواصلات کا نظام بحال کرنے کی جدوجہد بھی جاری ہے۔ تاہم جس بڑے پیمانے پر نقصانات ہوئے ہیں ان کے پیش نظر حکومت اور پاک فوج کو امدادی کام کا دائرہ بڑھانے کے لیے ہرممکن اقدامات کرنے ہوں گے، اس سلسلے میں تباہ شدہ عمارتوں کے ملبے میں پھنسے ہوئے

افراد کو نکالنے پر سب سے پہلے توجہ دینے کی ضرورت ہے، تاکہ مزید جانی نقصانات سے بچا جا سکے۔ متاثرہ علاقوں میں کسی قسم کی افراتفری نہیں ہونے دینی چاہیے۔ ساتھ ساتھ ملکی وغیر ملکی امدادی اداروں، این جی اوز اور رفاہی تنظیموں کو بھی اس موقع پر دکھی انسانیت کی خدمت سے پیچھے نہیں رہنا چاہیے اور متاثرہ عوام تک بروقت رسائی اور ان کی ہر ممکن مدد کرکے انسان دوستی کا ثبوت دینا چاہیے۔ تازہ سانحے کے بعد متاثرہ افراد کی امداد اور بحالی کی صورت حال اس بات کا تعین کرے گی کہ ہم نے بحیثیت قوم ۱۰ ربرس قبل آنے والے زلزلے سے کیا سبق حاصل کیا اور قدرتی آفات سے نمٹنے کی ہماری صلاحیت کس حد تک بہتر ہوئی ہے۔

علاوہ ازیں لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان اور آسمانی نظام پر یقین رکھتے ہیں، ان کو یہ باور کرانے کی ضرورت نہیں کہ اس طرح کی قدرتی آفات عام طور پر خداوندِ کائنات کی طرف سے انسانوں کے لیے ایک امتحان کے ساتھ، ایک تنبیہ اور زجر کا پیغام بھی ہوتی ہیں۔ قرآنِ حکیم میں صاف لفظوں میں بتایا گیا ہے کہ بحر و بر کے نظام میں جب بھی فساد اور خرابی آتی ہے انسانوں کے اعمال کی وجہ سے آتی ہے۔ اسی طرح جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارک کا مفہوم ہے کہ جب معاشرے میں حرام خوری، نفس پروری، بے حیائی، بدکاری، فسق و فجور اور کبائر عام ہوں گے اور ناعاقبت اندیش لوگ اقتدار کے اعلیٰ کے مناصب پر فائز کیے جائیں گے تو زمین پر زلزلوں اور دیگر آفات و بلیات کا نزول بھی زیادہ ہو جائے گا۔

بنا بریں اس سانحے کے بعد سب سے زیادہ چیز جس پر غور اور عمل کرنے کی ضرورت ہے یہ ہے کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی کوتاہیوں، گناہوں اور لغزشوں پر اللہ کے حضور استغفار کریں اور آئندہ کے لیے اس عہد کی پاسداری کرنے کا عزم کرلیں جو ہم نے اس ملک کے حصول کے وقت اللہ سے کیا تھا کہ ہم اس خطے میں اسلام کی تعلیمات کا بول بالا کریں گے اور اپنی زندگیاں شریعت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے سانچے میں ڈھال کر ایک غیور، خوددار، آزاد اور خودمختار مسلمان قوم کی حیثیت سے دنیا میں اپنی شناخت قائم کرلیں گے، چنانچہ آزمائش کے ان لمحات میں ہمیں اپنی ذاتی زندگیوں کے علاوہ بحیثیت قوم اپنی اب تک کی پالیسیوں، اقدامات اور طرزِ عمل پر بھی ایک نظر دوڑانا ہوگی اور یہ دیکھنا ہوگا کہ ہم سے کہاں کہاں لغزشیں ہوئیں؟ اور ہم نے کہاں کہاں صراطِ مستقیم سے اِعراض کیا؟ اس سے ہمیں اس سانحے سے بہتر طریقے سے نمٹنے میں بھی آسانی ہوگی اور شاید یہ آیندہ کے لیے اس طرح کے سانحات سے ہمیں بچانے کا بھی ذریعہ بنے۔ ہمارے ذرائع ابلاغ اور معاشرے کی تعلیم و تربیت سے متعلق اداروں کو بھی اس موقع پر اپنے کردار و عمل کا محاسبہ کرنا چاہیے کہ زلزلے کا پیغام یہ ہے:

زمیں کے سر بفلک باسیو! حدوں میں رہو
کہ کوئی اور بھی رہتا ہے اس جہاں سے وَرے

# دردی الخمر (tartaric acid) اور مردار کی ہڈی کا حکم

مفتی شعیب عالم

## دردی الخمر

مائع اشیاء جیسے تیل، شہد اور شراب کی تہہ میں جو تلچھٹ رہ جاتی ہے، اسے دردی کہتے ہیں۔ اسے روبہ یعنی خمیرہ بھی کہا جاتا ہے جو شیرہ پر شراب بنانے کی غرض سے ڈالا جاتا ہے۔ دردی الخمر شراب کی تلچھٹ اور کدورت کو کہتے ہیں۔ اس پر اتفاق ہے کہ عام شرابوں کی طرح یہ بھی حرام ونجس ہے اور اس سے فائدہ اُٹھانا ناجائز وحرام ہے۔

دیگر مسالک میں اس کا ایک قطرہ پینا بھی موجب حد ہے، البتہ احناف کے نزدیک اگر نشے سے کم مقدار میں ''دردی خمر'' استعمال کرلیا جائے تو حد واجب نہیں ہوگی، کیونکہ یہ شراب کی تلچھٹ اور کدورت ہوتی ہے اور اس طرح شوق ورغبت سے نہیں پی جاتی جس طرح دیگر حرام شرابیں پی جاتی ہیں۔ عادی شرابی بھی اُسے ناپسند کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خمریت کا وصف اس میں ناقص ہے، اس نقص کی وجہ سے اس کے پینے والے پر حد واجب نہیں۔ مگر چونکہ یہ حرام اور نجس ہے، اس لیے اس کا پینا اور استعمال میں لانا جائز نہیں اور جس پروڈکٹ میں ''دردی خمر'' شامل ہو اس کا استعمال بھی جائز نہیں۔ جیسا کہ ذکر ہوا کہ ''دردی خمر'' شراب کا بقیہ اور تلچھٹ ہوتی ہے، جس میں خمر اور غیر خمر کے اجزاء مخلوط ہوتے ہیں، آج کل ''فلٹریشن'' کے عمل کی وجہ سے خمر کے اجزاء جدا اور الگ کرلیے جاتے ہیں اور پھر مختلف مصنوعات میں خاص طور پر ذائقہ بڑھانے کی غرض سے اس کی آمیزش کی جاتی ہے، ''تقطیر'' یعنی ''فلٹریشن'' کے عمل کی وجہ سے ''دردی خمر'' کے حکم میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، بلکہ مزید شدت پیدا ہوجاتی ہے، کیونکہ استخلاص سے پہلے وہ خمر اور غیر خمر کا مجموعہ ہوتا ہے، جب کہ استخلاص کے بعد خالص خمر کے ذرات رہ جاتے ہیں، جس کا نجس اور حرام ہونا اور اس سے انتفاع کا ناجائز ہونا غیر اختلافی ہے۔ (الاختیار لتعلیل المختار، ج:۴، ص:۱۰۸)

**''ویکرہ شرب دردی الخمر و الامتشاط بہٖ لأنہٗ من أجزاء الخمر، ولا یحد شاربھما لم یسکر لأنہٗ ناقص، إذ الطباع السلیمۃ تکرھہٗ وتنبو عنہ، وقلیلہٗ لا یدعو إلٰی کثیرہٖ فصار کغیر الخمر۔''** (المبسوط للسرخسی مشکول، ج:۲۷، ص:۱۶۰۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: حاشیۃ رد المحتار علی الدر المختار، ج:۱، ص:۳۲۵)

## مردار کی ہڈی کا حکم

آج کل مرغیوں کی خوراک میں جانوروں کی ہڈی کا استعمال ہوتا ہے، اسی طرح فوڈ انڈسٹری کثرت کے ساتھ جیلاٹن کا استعمال کرتی ہے، جس کا ماٴخذ ہڈی ہوتا ہے، اگرچہ پاکستان میں اب حلال جیلاٹن بنانے والی کمپنیاں وجود میں آگئی ہیں، مگر اب بھی بڑے پیمانے پر اسے مغربی ممالک سے درآمد کیا جاتا ہے، جب کہ غیر مسلم ممالک میں ذبیحہ غیر شرعی ہوتا ہے جو بحکم مردار ہے اور اسی مردار کی ہڈی سے جیلاٹن تیار کیا جاتا ہے، اس لیے سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا جیلاٹن جو مردار کی ہڈی سے بنایا گیا ہو، حلال ہے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب جیسا کہ ظاہر ہے اس پر موقوف ہے کہ مردار کی ہڈی کا کیا حکم ہے؟

ہڈی کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ تمام جانوروں کی ہڈیاں پاک ہیں، خواہ جانور ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم ہو اور خواہ اسے شرعی طریقے پر ذبح کیا گیا ہو یا غیر شرعی طریقے پر ذبح کیا گیا ہو اور پھر وہ جانور سمندری ہو یا خشکی کا ہو اور اگر سمندری ہو تو مچھلی ہو یا مچھلی کے علاوہ کوئی اور جانور ہو اور اگر خشکی کا جانور ہو تو اس میں دم ہو یا نہ ہو اور اگر دم ہو تو دم سائل ہو یا غیر سائل ہو، سب کی ہڈی حلال ہے، البتہ درج ذیل اصناف کی ہڈیاں حرام ہیں:

۱:......خنزیر کی ہڈی نجس اور حرام ہے، کیونکہ خنزیر اپنے تمام اعضاء سمیت نجس العین ہے۔

۲:......انسان کی ہڈی پاک ہے، مگر اس کی عظمت اور کرامت کی وجہ سے اس کی ہڈی کا استعمال حرام ہے۔

۳:......مردار کی ہڈی پر دسومت اور چکنائی ہو تو اس کا استعمال حرام ہے، البتہ جن جانوروں میں دم نہ ہو یا دم تو ہو مگر سائل نہ ہو، اس کی ہڈی پر اگر دسومت ہو تو اس کا استعمال حلال ہے۔

حاصل یہ ہے کہ سوائے خنزیر کے ہر جانور کی ہڈی پاک ہے خواہ حلال ہو یا حرام، مذبوح ہو یا مردار، البتہ مردار کی ہڈی میں شرط ہے کہ اس پر دسومت نہ ہو اور اگر جانور میں دم سائل نہ ہو تو اس کی ہڈی پر دسومت کا نہ ہونا بھی شرط نہیں۔

اس تفصیل کی روشنی میں ہڈیوں سے بننے والی خوراک کا حکم یہ ہے کہ:

۱:.....شرعی طور پر مذبوح حلال جانوروں کی ہڈیوں سے خوراک بنانا اور جانوروں کو کھلانا جائز ہے۔

۲:...... جو جانور حلال نہ ہو مگر شرعی طریقے پر ذبح کردیا گیا ہو، اس کی ہڈی سے بھی خوراک بنانا اور جانور کو کھلانا جائز ہے۔

۳:.....مردار کی ہڈی پر اگر رطوبت ہے تو خشک ہوجانے کے بعد اس سے خوراک بنانا جائز ہے۔

۴:.....ایسی خوراک جس میں انسانی ہڈی یا خنزیر کی ہڈی استعمال ہو، اس کا بنانا اور جانوروں کو کھلانا جائز نہیں۔ (الجامع الصغیر، عبدالحی اللکنوی، ج:۱، ص:۳۲۸۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: الہدایۃ شرح البدایۃ، ج:۳، ص:۴۶)

# ’’کتاب الرد علی سیر الأوزاعی‘‘

مولانا محمد فرحان صدیقی نگرنہسوی

یہ کتاب امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۲ ہجری کی تصنیف ہے، جو ’’سیر‘‘ کے حوالے سے ہے۔

’’سِیَر‘‘... ’’سیرۃ‘‘ کی جمع ہے، اس کو ’’کتاب السیر‘‘ کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس میں مسلمانوں کی سیرت وطرز کا بیان ہے۔ مشرکین، اہل حرب، مستامنین، ذمیین، مرتدین اور باغیوں کے ساتھ معاملے کی نوعیت کا علم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کس قسم کے برتاؤ کے حقدار ہیں؟ یہ کتاب مسلمانوں کے اندرونی و بیرونی مسائل میں رہنمائی فراہم کرتی ہے، خارجہ وداخلہ پالیسی کے لیے ایک اَساس کی حیثیت رکھتی ہے، اس میں جنگی اخلاقیات اور امورِ حرب کی حدود بندی کے لحاظ سے اسوۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آثارِ صحابہؓ کی روشنی میں مسلمہ اصول ہیں، غرض یہ بین الاقوامی قوانین کا مجموعہ ہے، جس کے سامنے سرِتسلیم خم کرنا بندگی کا نمونہ ہے۔

کتابِ ہٰذا کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں مذکورہ بالا قوانین کے ساتھ ساتھ علم حدیث، فہمِ حدیث، اصولِ افتاء اور احکام قرآن کے حوالے سے اچھا مواد موجود ہے، جو اس کی افادیت کو مزید نکھار دیتا ہے، مگر یہ مختصر ہے، اس کے مقابلے میں امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی ’’شرح کتاب السیر الکبیر‘‘ میں یہ مباحث قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں، وجہ اس کی یہ ہوئی کہ جب امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۵۷ ہجری نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی املاء کرائی ہوئی ’’کتاب السیر‘‘ پر رد لکھا تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا، جو زیرِ تبصرہ ہے تو اس میں صرف دونوں اماموں کے مابین اختلافی مسائل کا بیان ہے اور بس، البتہ چند ایک مسئلے رہ بھی گئے ہیں، جیسے غال (مالِ غنیمت میں خیانت کے مرتکب شخص) کی سزا کے بارے میں امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ اس کا سامان اور کجاوہ جلا دیا جائے، جبکہ احناف رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اس کو تعزیراً کچھ سزا دی جائے گی۔

اکثر جگہوں پر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا دفاع کیا ہے، مگر دار الحرب میں ایک درہم کے بدلے دو درہم بیچنے والے مسئلے میں انہوں نے امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی ہے۔

## فہم حدیث

قرآن وسنّت کے تتبُّع سے ایسے متعدد احکام کا پتا چلتا ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہیں، ان کو عام قرار دے کر مزید نئی جزئیات کا استنباط نہیں کیا جاسکتا، بلکہ ان کو مستدل ٹھہرانا ہی درست نہیں، جیسے: فرضیتِ تہجد، چار سے زائد عورتوں سے نکاح کرنا، بغیر مہر کے نکاح کرنا وغیرہ، چنانچہ جہاں امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی ایسے واقعے کو دلیل کے طور پر پیش کر کے کوئی مسئلہ مستنبط کرنا چاہا تو امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف انداز سے ان پر رد فرمایا، صفحہ: ۲۴ میں فرماتے ہیں:

''ولیس للأئمة فی هذا ما لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم۔''

صفحہ: ۱۰۸، ۱۰۹ میں رقمطراز ہیں:

''وقد أخبرتک أنّ رسولَ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی هذا لیس کغیره،فهٰذا من ذالک۔''

صفحہ: ۱۳۵ میں فرماتے ہیں:

''وما صنع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فهو حق کما صنع، لیس لاحد بعدهٗ فی مثل هذا ما لهٗ، واللّٰه أعلم بالصواب۔''

جو کلام جتنا زیادہ فصیح وبلیغ ہوتا ہے، اس میں متعدد معانی کا اتنا ہی احتمال ہوتا ہے، مگر سیاق وسباق اور اصولِ عامہ کی روشنی میں کسی ایک معنی کا تعیّن قدرے مشکل ہوتا ہے، ائمہ احناف کو اس باب میں خاص ملکہ حاصل ہے، چنانچہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ، امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ پر رد کرتے ہوئے صفحہ: ۱۴ میں فرماتے ہیں:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول حدیث کے بہت سے معانی، صورتیں اور تفسیریں ہوتی ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی مدد وتوفیق ہی سے سمجھی اور واضح ہوتی ہیں۔''

## علم حدیث

احناف نے جہاں علوم کے اور باغوں کو سیراب کیا، وہاں علم حدیث کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا، اُصولِ فقہ کی کتابوں میں سنّت کے مباحث کے تحت علم حدیث کے روایتی اور درایتی پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے، حدیث کی جانچ پڑتال کے لیے پیمانہ مقرر کیا ہے، چنانچہ زیرتبصرہ کتاب میں بھی صفحہ: ۳۱ میں امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ، امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''روایتیں بڑھتی چلی جارہی ہیں، غیر معروف حدیثیں بھی سامنے آرہی ہیں، جن کو فقہاء جانتے ہیں اور نہ ہی وہ قرآن اور سنّت مشہورہ کے موافق ہیں، پس آپ شاذ حدیث کو مستدل نہ بنائیں، بلکہ صرف اسی حدیث سے استدلال کیجئے، جسے ایک بڑی جماعت اور فقہاء جانتے ہوں، جو قرآن وسنّت کے موافق ہو، اسی پر اور چیزوں کو قیاس کیجئے، پس سند سے منقول ہونے کے باوجود قرآن کی مخالف حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں ہوسکتی۔''

اسی قاعدے کی مزید تشریح کرتے ہوئے صفحہ: ۱۰۵ پر رقمطراز ہیں:

''امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی مستدل حدیث ہمارے نزدیک شاذ ہے اور شاذ حدیث سے استدلال نہیں کیا جاتا۔''

## اصولِ افتاء

فتویٰ دیتے وقت الفاظ کا انتخاب ایک مشکل امر ہوتا ہے، تھوڑی سی بداحتیاطی دنیوی اور اخروی لحاظ سے پکڑ کا سبب بن سکتی ہے، اسی بات کو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ مختلف پیرایوں میں بیان کرتے ہیں، چنانچہ صیر فی الحدیث حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے صفحہ: ۷۳ میں لکھتے ہیں:

''حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ساتھیوں کے بارے میں فرمایا کہ جب وہ کسی چیز کے بارے میں فتویٰ دیتے یا کسی چیز سے منع کرتے تو فرماتے کہ یہ مکروہ ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں، جبکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ حلال ہے، یہ حرام ہے، یہ کتنی بڑی بات ہے!!۔''

صفحہ: ۷۶ میں امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے کی دلیل یوں نہیں دی جاسکتی ہے کہ لوگ ہمیشہ سے یوں کرتے رہے ہیں، کیونکہ اکثر غیر حلال اور غیر مناسب کام لوگ کرتے رہے ہیں، جن کاموں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اُنہیں انجام دیتے رہے ہیں، کسی چیز کی حلت وحرمت کا فیصلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت، سلف صحابہؓ اور سلف فقہاء کے اقوال کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔''

جنگ کے حوالے سے ایک اہم نکتہ، صفحہ: ۸۴ میں فرماتے ہیں:

''کافروں کے درختوں کو اکھاڑنے اور ان کے باغات وسامان جلانے کا شمار اِعدادِ قُوَّت میں ہوتا ہے۔''

غرض یہ کتاب اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر مطالعہ کیے جانے کے لائق ہے، خصوصاً آج کے دور میں جب دنیا کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کی فضا ہموار کی جارہی ہے، شاذ واقعات واحادیث سے استدلال کیا جارہا ہے، قواعد کلیہ سے صرف نظر کرکے مفہوم بگاڑ کر اپنا مدعی ثابت کیا جارہا ہے، تقاربِ ادیان کے لیے نت نئے عنوانات اور دلائل کا سہارا لیا جارہا ہے، اس کی اور اس جیسی کتب کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمانوں کا ذہین طبقہ اپنے اسلاف اور تاریخ سے واقف ہو، اہل علم حضرات خیر القرون اور مسلمانوں کے عروج کے دور میں لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ کرکے آج کے گھمبیر مسائل کا حل نکالیں۔

یہ کتاب دار الکتب العلمیہ بیروت سے ۱۴۴ صفحات پر مشتمل ۱۹۹۰/۱/۱ء میں بھی شائع ہوئی ہے، مزیّن سرورق اور عمدہ طباعت ہے، اس کی تصحیح وتعلیق ابوالوفاء افغانی (استاد مدرسہ نظامیہ ہندوستان) نے کی ہے۔ اور لجنہ احیاء معارف اسلامیہ نے بھی اس کو شائع کیا ہے، جس کے صفحات ۱۳۷ ہیں۔

# نسلِ نو پر مغربی تعلیم کے اثرات کا طائرانہ جائزہ

## Nutty as a Noodle Stories (پہلی قسط)

پروفیسر خالد جامعی

"ERDC" تعلیم و تدریس سے متعلق مشاورت کا نامور ادارہ ہے، اس کے سربراہ جناب سلمان صدیقی اور ان کے رفیق کار جناب زبیر شیخ صاحب نے ڈاکٹر عبدالوہاب سوری اور راقم الحروف کو دعوت دی کہ وہ کراچی کے چند اہم ترین اسکولوں کے مالکان، منتظمین، مہتمم، مدرسین اور بہی خواہوں کی ایک خصوصی نشست میں شرکت کریں اور ان کے اسکولوں کو درپیش مسائل اور ان اداروں سے فارغ ہونے والی نوجوان نسلوں کے بارے میں ان کے زرین خیالات، سوالات، شبہات و اشکالات، اضطراب اور ابہامات براہِ راست سنیں۔ ہم دونوں نے اس فکر انگیز نشست میں شرکت کی اور اسکولوں سے وابستہ نہایت مخلص، دین دار، صاحب ایمان خواتین و حضرات کے خیالات سنے۔ ان سب کا مشترکہ موقف یہ تھا کہ ہم اپنے اسکولوں میں اسلامی طرزِ زندگی، اسلامی تعلیمات، اخلاقیات، تجوید، قرآن، حدیث، سب کچھ کا بہت خیال رکھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود نتائج حوصلہ افزا نہیں ہیں۔ ہمارے اسکول سے فارغ ہونے والے بچوں کا آئیڈیل مغرب ہی ہوتا ہے، وہ اپنے مستقبل کے حوالے سے بہت زیادہ متحرک ہوتے ہیں اور ان کو منزل پاکستان سے باہر ہی نظر آتی ہے۔ ہم اس مسئلے کو کیسے حل کریں؟ ہمارے بہترین ماحول، بہترین اسلامی تربیت کے باوجود بچوں میں یہ خیالات کیوں پیدا ہو جاتے ہیں؟

یہ ایک اہم سوال ہے جس کا جواب طویل ہے، مختصر نہیں۔ جدید اسکول کا نظام کہاں سے آیا ہے؟ اس کی مابعد الطبیعیاتی اَساس کیا ہے؟ اس کے مقاصد و اہداف کیا ہیں؟ اس کا نصاب کس بنیاد پر مرتب کیا گیا ہے؟ اس کی تاریخ کیا ہے؟ ان اداروں کے قیام کے لیے جبر کیوں کیا گیا؟ بچے پر نماز سات سال میں فرض ہوتی ہے، لیکن اسکول میں بچے کا داخلہ اس وقت کیوں ہو جاتا ہے جب وہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے؟ خدا کی عبادت بچہ سات سال میں شروع کرتا ہے، مگر معدہ اور معاش کی عبادت ماں



www.banuri.edu.pk

کے پیٹ سے شروع کر دیتا ہے، آخر کیوں؟ یہ جبر لوگوں کے لیے اس قدر فطری، حقیقی اور قابل قبول کیوں ہے؟ قرآن نے حکم دیا ہے: ''مائیں دو سال تک بچوں کو کامل دودھ پلائیں'' مگر اس عمر سے بہت پہلے بچے کو مونٹیسوری میں داخل کر دیا جاتا ہے، یہ جبر کون مسلط کر رہا ہے؟ جدید سیکولر تعلیم کے اساسی مفکرین روسو[Rousseau] مِل[Mill] ولیم جیمز [William James] جان ڈیوی[John Dewey] گیٹوز[Gatos] اور فوکالٹ[Foucault] نے اس موضوع پر کیا لکھا ہے؟ کیا جدید تعلیمی نظام کے ہتھیار ابلاغ عام کے اوزار ہیں یا تباہی و بربادی کے آلات؟ [The weapons of Mass instruction or Mass Distruction] وغیرہ وغیرہ۔ ان فلسفیانہ مباحث کو ایک نشست یا ایک مضمون میں بیان کرنا محال ہے، لیکن اس سوال، تشویش اور فکر مندی کا مختصر سا جواب دینے کے لیے راقم الحروف نے انگریزی اسکولوں میں پڑھائی جانے والی دو اہم کتابوں کے بعض مضامین اور کہانیوں کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے، ممکن ہے اس جائزے میں ان سوالوں کا کوئی جواب مل سکے۔ روشنی کی ایک لکیر بھی گھپ تاریک رات میں ہزاروں چراغوں کا متبادل ہوتی ہے، اس جائزے کو ایسی ہی ایک لکیر سمجھئے۔

کراچی کے وہ اسکول جہاں ''Adexcle System'' کے تحت تعلیم دی جاتی ہے، تیسری جماعت کے بچوں کو انگریزی ادب کی تعلیم دینے کے لیے ایک کتاب ''Nutty as Noodle stories'' کو نصاب میں شامل کیا گیا ہے۔ یہ کتاب بھارت، ایشیا اور پوری دنیا میں پڑھائی جاتی ہے۔

''Pie corbett'' کی کتاب کی پہلی کہانی کا عنوان ہے: ''Daft Jack''۔ احمق، نادان، بدھو، جیک ایک غریب ماں کا بیٹا تھا جو گھروں میں کام کر کے اپنی گزر اوقات کرتی، مگر اس کا بیٹا روزانہ صبح کے وقت گھر کے دروازے پر بیٹھ جاتا، گھاس چباتا، سہ پہر کو وہ ندی پہ بیٹھ کر مچھلیوں سے دل بہلاتا اور رات کو تاریک آسمان پر چمکنے والے ستاروں کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہتا، یہی اس کی مصروفیت تھی۔ ایک دن اس کی ماں نے اس سے کہا کہ یہ سستی، نکما پن ختم کرو اور کام کے لیے نکلو، تاکہ اپنی خوراک کا بندوبست کر سکو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو واپس اس گھر کا رخ نہ کرنا۔ اگلے دن نادان جیک کام کی تلاش میں نکلا، اس کی ملاقات ایک کسان سے ہوئی، اس نے کسان کا ہاتھ بٹایا، شام کو کسان نے اس کی شدید محنت کے معاوضہ میں ایک پینی کا سکہ دیا، اس نے اپنے آپ سے کہا کہ آج تو میری ماں بہت خوش ہوگی۔ واپسی کے سفر میں وہ ندی کے پاس رکا اور مچھلیوں کا نظارہ دیکھنے ندی پر جھکا، اس کے ہاتھ میں رکھا ہوا سکہ ہاتھ سے پھسل کر ندی میں جا گرا، وہ سکے کی تلاش میں ندی کی تہہ تک اترا، مگر سکہ ہاتھ نہ آیا۔ وہ مایوس ہو کر گھر کی طرف چلا، اسے یقین تھا کہ اس کی ماں سکے کی گمشدگی کا سن کر بالکل خوش نہیں ہوگی، وہ مچھلی کی طرح پانی میں تر بہ تر تھا، دن بھر کی محنت کا ثبوت ماں کے سامنے پیش کرنے کے لیے اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ ماں اسے دیکھتے ہی چلائی: او احمق لڑکے! تمہیں سکہ اپنی جیب میں رکھنا چاہیے تھا۔

جیک نے جواب دیا: امی معاف کردیجیے، اگلی مرتبہ غلطی نہیں ہوگی، میں اس نصیحت کو یاد رکھوں گا۔ اگلے دن وہ کام کے لیے نکلا تو اسے ایک کسان ملا جس کے پاس گایوں کا گلہ تھا، اس نے کسان کا ہاتھ بٹایا، شام کے وقت کسان نے اس کی مشقت کے صلے میں اسے دودھ کا ایک جگ دیا۔ جیک کو ماں کی نصیحت اور اپنا وعدہ یاد تھا، لہٰذا اس نے نہایت احتیاط اور ذمہ داری سے دودھ کا جگ اپنی جیب میں رکھ لیا، وہ سوچ رہا تھا کہ آج اس کی ماں بہت خوش ہوگی، لیکن گھر پہنچتے پہنچتے دودھ جیب سے بہہ کر اس کی ٹانگوں سے رسنے لگا، وہ سمجھ گیا کہ اس کی ماں ہرگز خوش نہیں ہوگی، اس کی پتلون دودھ سے تر بہ تر ہورہی تھی اور دن بھر اس نے جو مشقت کی تھی اس کا ثبوت دکھانے کے لیے اس کے پاس کچھ نہیں تھا، بس یہی دودھ سے گیلی پتلون تھی، ماں اُسے دیکھتے ہی چلائی، اے احمق!!! تمہیں دودھ کے جگ کو اچھی طرح ڈھانک کر اپنی قمیض کے اندر رکھ کر لانا چاہیے تھا:

You Should have wrapped up the jug and carried it under your shirt

جیک نے پھر معذرت پیش کی اور کہا کہ آئندہ میں اس بات کا خیال رکھوں گا (سوال یہ ہے کہ بچہ احمق ہے یا ماں بھی احمق ہے؟ دودھ کے جگ کو قمیض کے اندر رکھ کر کیسے لایا جاسکتا ہے؟) اگلے دن جیک پھر کام کی تلاش میں باہر نکلا، اسے نان بائی ملا، اس نے روٹی کے لیے آٹا گوندھنے کا کام اس کے سپرد کیا، شام کے وقت جیک کی سخت محنت ومشقت کے معاوضے میں نان بائی نے اُسے بلی کا ایک بچہ دیا، جیک کو ماں سے کیا گیا اپنا وعدہ یاد تھا، اس نے بلی کے بچے کو نہایت احتیاط سے لپیٹ کر اپنی قمیض کے اندر رکھ لیا، وہ سوچ رہا تھا کہ آج تو اس کی ماں ضرور اس سے خوش ہوگی، لیکن بلونگڑا قمیض کی اندھیری کال کوٹھری میں ناخوش تھا، اسے جیک کی قمیض کے اندر رہنا نہایت مضحکہ خیز لگا، بلونگڑے نے غریب جیک کو پنجے مار مار کر لہولہان کردیا، اس سے پہلے کہ جیک گھر پہنچتا، بلونگڑا اچھلانگ مار کر راستے میں ہی بھاگ نکلا، جیک کو احساس ہوگیا تھا کہ اس کی ماں بہت ناراض ہوگی، ماں نے جیک کو جیسے ہی دیکھا چلائی، او گدھے لڑکے! بلونگڑے کو رسی کے ٹکڑے کے ساتھ باندھنا چاہیے تھا، پھر تم اسے اپنے ساتھ ساتھ چلا کر لے آتے۔ جیک نے حسبِ معمول معذرت پیش کی، اس نصیحت کو یاد رکھنے اور اس پر عمل کرنے کا وعدہ کیا، اگلے دن وہ پھر کام کی تلاش میں نکلا، اسے قصائی نے کچھ کام دیا، شام کے وقت اس کی محنت کے معاوضے میں قصائی نے اسے گوشت کا ٹکڑا دیا، جیک کو ماں کی نصیحت اور اپنا وعدہ یاد تھا، اس نے ایک رسی کو گوشت کے گرد لپیٹا اور گوشت کو بلی کے بچے کی طرح رسّی سے کھینچتے ہوئے گھر کی طرف روانہ ہوا، وہ سوچ رہا تھا کہ آج تو اس کی ماں یقیناً خوش ہوگی، ابھی وہ کچھ ہی دور گیا تھا کہ بہت سے کتے اس کا پیچھا کرنے لگے، وہ گوشت کھانا چاہتے تھے، وہ تمام راستے گوشت نوچ نوچ کر کھاتے رہے، جب جیک گھر پہنچا تو رسی کے آخری سرے پر کچھ نہیں بچا تھا اور اس کے ٹخنے زخمی ہوگئے تھے، اس نے جان لیا کہ اس کی ماں ہرگز خوش نہیں ہوگی۔ جیسے ہی ماں نے جیک کو دیکھا زور سے چلائی: احمق! گوشت اپنے کندھے پر رکھ کر لانا چاہیے

تھا، تاکہ کتے گوشت نہ کھاسکتے: You should have carried the meat on your shoulders then the dogs would not have been able to eat it. (اس کی عقل مند ماں کا یہ مشورہ خود احمقانہ ہے، کیا گوشت کندھے پر رکھ کر لایا جاتا ہے؟) جیک نے حسب معمول معذرت کی، ماں کی نصیحت کو اپنے پلے باندھنے اور اس پر عمل کا وعدہ کیا، اگلے دن وہ کام کی تلاش میں نکلا، اسے شہد جمع کرنے والا ملا، جیک نے چھتوں سے اس کے لیے شہد جمع کیا، دن کے اختتام پر شہد والے نے اسے اپنا بوڑھا ناکارہ گدھا سخت محنت کے معاوضے میں دیا، جیک نے گدھا لیا اور ماں کی نصیحت اور اپنے وعدہ پر عمل کرتے ہوئے گدھے کو اپنے کاندھے پر اٹھالیا اور گھر کی طرف چل دیا، گدھے کی ٹانگیں ہوا میں لہرا رہی تھیں، جیک اسی حالت میں چلتا رہا اور گدھا زور دار طریقے سے ڈھینچوں ڈھینچوں کررہا تھا، راستے میں ایک بہت امیر آدمی کا گھر تھا جو اپنی بیٹی کے ساتھ رہتا تھا، اس کی بیٹی بہت خوبصورت تھی، لیکن اپنی ماں کے انتقال کے بعد سے مسلسل اداس تھی، اس نے ماں کے مرنے کے بعد اپنی زبان سے ایک لفظ ادا نہیں کیا، وہ ہمیشہ غم میں ڈوبی رہتی، ڈاکٹروں نے اس کے باپ کو بتایا تھا کہ وہ صرف اسی وقت کچھ بولے گی جب کوئی اسے ہنسا سکے، اس غم زدہ لڑکی نے گھر سے باہر شور شرابے کی آواز سنی تو کھڑکی سے جھانکا، سڑک پر عجیب تماشہ تھا، جیک کے کاندھے پر ایک گدھا لدا ہوا تھا، یہ منظر دیکھ کر اس کے منہ سے ہنسی کا فوارہ چھوٹ گیا اور مسرت کا چشمہ پھوٹ نکلا، وہ مسلسل اور مستقل ہنسے جارہی تھی، وہ بھاگ کر اپنے ابو کے پاس گئی اور اس پر لطف منظر کا ذکر کیا، لڑکی کا باپ اس واقعہ سے بے انتہا خوش ہوا کہ اس کی بیٹی نے ہنستے ہی بولنا شروع کردیا، لڑکی کے باپ نے فیصلہ کیا کہ وہ اس لڑکے کو اپنی بیٹی کا شوہر بنائے گا جس نے اس کی اداس بیٹی کو خوش کردیا تھا، لڑکی کے باپ نے اپنی بیٹی جیک کے سپرد کردی، جیک گدھے پر اپنی بیوی کو بٹھا کر گھر لے گیا، اس شام بھی جیک کی ماں اس کا انتظار کررہی تھی، اس کا اندازہ تھا کہ جیک آج بھی کوئی احمقانہ کام کرکے آئے گا اور اس کے ہاتھوں ذلیل ورسوا ہوکر رہے گا، وہ اس کو ایک زوردار سبق سنانے پر تیار تھی، لیکن جب اس نے دیکھا کہ جیک گدھے کی رہنمائی کررہے ہیں اور گدھے پر ایک نہایت خوبصورت لڑکی سوار ہے تو اس کی ماں کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہ رہا، اس دن سے جیک کی ماں نے جیک کو کبھی احمق جیک نہیں کہا۔

اس کہانی میں بچے کے لیے کئی اسباق مخفی ہیں جو ہماری تہذیب، علمیت، تاریخ، روایات اور اقدار سے متصادم ہیں:

ا:.....روایتی تہذیبوں میں احمق، نادان، معذور، بدھو بچوں کا خاص خیال رکھا جاتا ہے، ان کی معذوری نادانی کو لعنت ملامت کا نشانہ نہیں بنایا جاتا، ان سے خصوصی محبت کا سلوک کیا جاتا ہے۔ آج بھی روایتی معاشروں میں خاندان کے سب سے کم زور، معذور اور احمق بچے کو سب سے



www.banuri.edu.pk

زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔اس کو تذلیل، تضحیک، تمسخر کا نشانہ نہیں بنایا جاتا، کیونکہ وہ خلقی طور پر کم زور ہے اور زندگی کی دوڑ میں صحت مند لوگوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ایسے بچوں کے ساتھ صرف ماں ہی نہیں خاندان اور خاندان سے باہر بھی ہر شخص خصوصی توجہ اور محبت کا برتاؤ رکھتا ہے۔ان پر ضرورت سے زیادہ بوجھ اور ذمہ داریاں بھی نہیں ڈالی جاتیں۔

۲:.....کم زور اور احمق بچے کی خاص تربیت کی جاتی ہے، اس کو پیار و محبت سے سمجھایا جاتا ہے اور اس کی غلطیوں کی اصلاح نہایت تدبر، فہم اور رحم سے کی جاتی ہے۔یہ عجیب ماں ہے جو اسے روزانہ ذلیل کرتی ہے اور بچے کو جو سبق دیتی ہے اس کے ساتھ یہ نہیں بتاتی کہ یہ سبق صرف اس طرح کی صورت حال میں کار آمد ہے، لیکن تم اس سبق کو دوسری جگہوں پر استعمال نہ کرو۔وہ بچے کو یہ سمجھا سکتی تھی کہ جس کے یہاں کام کرو جب وہ معاوضے میں کچھ دے تو اس سے پوچھ لو کہ میں اسے کیسے لے کر جاؤں؟

۳:.....ایک نادان احمق بچہ بھی اتنا احمق نہیں ہوتا کہ وہ دودھ کو جیب میں ڈال دے اور بلونگڑے کو قمیص کے اندر رکھ کر چھپائے، جسم کے ساتھ چمٹالے اور خود کو اس سے زخمی بھی کرائے، بچے کی حماقت انگیزی بہت زیادہ افسانوی ہے، فی الحقیقت بچہ اگر اتنا ہی احمق تھا تو اس پر غصے کا کوئی جواز ہی نہ تھا۔

۴:.....ماں نے بچے کو جو اسباق دیے وہ خود احمقانہ ہیں، دودھ کے جگ کو قمیص کے اندر رکھ لو، گوشت کو کندھے پر رکھ کر لاؤ، عملی زندگی میں ایسا نہیں ہوتا، دونوں طریقے نہایت غلط ہیں۔کہانی نویس نے ماں کو بھی احمق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

۵:.....بچہ اتنا بے وقوف ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے کام صحیح طریقے سے نہیں کرسکتا، لیکن زندگی کا سب سے مشکل کام یعنی شادی کا فیصلہ اس نے ایک لمحے میں کرلیا، اپنی ماں سے مشورہ بھی نہیں کیا، اجازت بھی نہیں لی، شادی کی تقریب بھی منعقد نہیں ہوئی، خاندان کے لوگوں سے کوئی مشورہ، کوئی رائے کچھ نہیں کیا گیا۔

۶:.....لڑکی کا باپ جو امیر تھا اس نے بھی یہی سوچا کہ یہ احمق لڑکا ہی میری لڑکی کو خوش رکھ سکے گا اور اس کے اشارے پر چلتا رہے گا، لہٰذا اس نے لڑکے کے خاندان، حسب نسب، کام، کاروبار، ماں باپ، رہائش کے بارے میں کچھ پوچھنے، دیکھنے، سوچنے، کی زحمت گوارا نہ کی، لڑکی کا باپ ایک جانب اتنا عقل مند ہے، مگر اس نے اپنے کسی عزیز دوست پڑوسی سے مشورہ نہیں کیا، نہ بچی کی شادی میں کسی کو مدعو کیا۔اچانک سڑک پر جانے والے ایک نامعلوم لڑکے سے خوش ہو کر اپنی قیمتی متاع لڑکی کا ہاتھ اس احمق لڑکے کے ہاتھ میں تھما کر گدھے پر بیٹی کو ساس کے گھر جانے کی اجازت دے دی، اتنی تکلیف بھی نہیں کی کہ بچی کے سسرال تک چلا جاتا کہ یہ احمق داماد راستے میں گھر پہنچنے سے پہلے میری بیٹی کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔

۷:.....لڑکے کی ماں نہایت سخت تھی، مگر جیک کو ماں کی اجازت کے بغیر شادی کرتے ہوئے نہ شرم آئی، نہ کوئی فکر ہوئی، وہ نہایت ڈھٹائی کے ساتھ اپنی بیوی کو ماں کی اجازت کے بغیر اس کے گھر لے گیا۔

۸:.....اس کی ماں اس قدر لالچی تھی کہ اس نے جب دیکھا کہ جیک ایک خوبصورت لڑکی لے آیا ہے تو اس سے پوچھنے کی زحمت تک گوارا نہ کی کہ احمق! یہ لڑکی کون ہے؟ کہاں سے لایا ہے؟ کیوں لایا ہے؟ کس کی اجازت سے؟ تو اتنا احمق ہے کہ کچھ کماتا نہیں ہے، تجھے تو میں گھر سے نکال رہی تھی، اب تو میری غربت میں ایک لڑکی بھی لے آیا ہے، یہ مفلسی میں گیلا آٹا والا معاملہ ہے۔ لیکن ماں نے سوچ لیا کہ لڑکی امیر گھر کی ہے، اپنے شوہر کا خیال رکھے گی اور میرا بھی خیال رکھے گی، اس لڑکی پر میرا احسان ہے کہ میں اگر اس بیٹے جیک کو نہ جنتی تو یہ اداسی میں گھٹ کر مر جاتی، میرے بیٹے کی بے وقوفی اس بدقسمت لڑکی کے لیے خوشیوں کے خوشے لائی ہے، میرا بیٹا تو خوش قسمت ہے۔

۹:.....کہانی میں بچوں کو جو پیغام دیا گیا ہے، وہ صرف یہ ہے کہ زندگی کا مقصد کمانا اور کھانا ہے، جو کمانے کے قابل نہیں وہ عزت کے قابل نہیں۔ اس کی بے عزتی کرنا جائز ہے، بلکہ اسے گھر سے نکال دینا چاہیے۔ کسی احمق بے وقوف بچے کو گھر میں رکھ کر کھلانا پلانا احمقانہ بات ہے۔ جو اپنا بوجھ خود نہیں اٹھا سکتا اس کا بوجھ ماں باپ گھر والوں کو بھی نہیں اٹھانا چاہیے۔ جدید مغرب کا یہ تصور جو انسان نے اختیار کیا ہے جانور بھی اس سے بہتر تصور رکھتے ہیں، مثلاً افریقہ کے جنگلوں میں ہاتھیوں کے غول کی رفتار کا تعین غول کا سب سے کم زور ہاتھی کرتا ہے، اس کی رفتار کے مطابق تمام ہاتھی اپنی رفتار کم کر لیتے ہیں، اجتماعیت کی خاطر ایک کم زور ہاتھی کے لیے پورا غول قربانی دیتا ہے۔ چیتے کی مادہ بچے دیتی ہے تو چیتا اپنے بھٹ میں نہیں جاتا، وہ باہر بیٹھ کر اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے، اندر صرف ماں اور بچے ہوتے ہیں، وہ ماں کے لیے شکار تلاش کر کے لاتا ہے، ایسا نہیں ہوتا کہ وہ ایک دن اس مشقت محنت سے تنگ آ کر چپکے سے غائب ہو جائے، وہ اپنا فرض ادا کرتا ہے، اپنی بیوی کی جدائی برداشت کرتا ہے، اپنے خاندان کو تنہا چھوڑنا اس کی فطرت کے خلاف ہے، مگر اس کہانی میں ماں جیسی ہستی کو اس قدر کمتر درجے پر دکھایا گیا ہے، جب کہ ماں کی محبت دنیا کی ایسی محبت ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بندوں سے اللہ کی محبت کی گہرائی کو بیان کیا تو اللہ کی محبت کو ماں کی محبت کے ذریعے بیان کیا، فرمایا کہ: اللہ بندوں سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت رکھتا ہے۔ ایک اور حدیث میں بتایا گیا ہے کہ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ کی ذات میں اپنے بندوں کے لیے اس سے زیادہ پیار اور رحم ہے جتنا کہ اس ماں میں اپنے بچے کے لیے ’’ **لَلّٰهُ أرحم لعبادہٖ من ھٰذہٖ بولدھا** ‘‘ (صحیح بخاری، صحیح مسلم) اور ایک انسان کی ماں کی محبت کیا ہوتی ہے؟ اسے محسوس کیا جا سکتا ہے، بیان نہیں کیا جا سکتا۔ جانور کی ماں تک اپنی اولاد سے ایسی محبت کرتی ہے کہ اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے گھر میں ایک مرغی تھی، اچانک بیمار ہوئی، دبلی ہونے لگی، طبیعت اس کی بگڑتی چلی گئی،

اس نے انڈے دینے شروع کیے، وہ ہم نے کھائے۔ آخری انڈہ دیتے ہوئے وہ بطخ کے گھر کی طرف چلی، گھسٹتی لڑکھڑاتی ہوئی وہاں پہنچی، آخری انڈہ اس نے بطخ کی دہلیز پر دے کر اپنے انڈے کو بطخ کے سپرد کر دیا اور یہ فرض ادا کرنے کے بعد وہیں اپنی جان دے دی، بطخ اسے اپنا انڈہ سمجھ کر گھر میں لے گئی۔ پھر بطخ بھی کئی انڈے دے رہی تھی، بچے پیدا ہوئے، ان میں مرغی کا بچہ بھی شامل تھا، بطخ بچوں کو تیرنے کے لیے پانی میں لے جاتی تو مرغی کا بچہ تیرنے کے بجائے بطخ کی پیٹھ پر بیٹھ جاتا، بطخ اسے اپنا ہی بگڑا ہوا بچہ سمجھتی جو پانی سے خوف کھاتا ہے۔ ایک مرغی موت کا اندازہ کرتے ہی اپنے مستقبل کو ایک محفوظ ہاتھ میں منتقل کرنا چاہتی ہے، یہ ماں کی محبت ہے۔ مغرب اور Edexcle ہمیں کس قسم کی ماں سے آگاہ کر رہا ہے؟ لبرل ازم اور سرمایادارانہ نظام کے معاشی اصولوں کا سنہرا اصول ہے کہ ''Each according to his ability'' کہ ''ہر شخص کو اس کی صلاحیت واستعداد کے مطابق رزق ملنا چاہیے'' جبکہ سوشلزم اس اصول کو تسلیم نہیں کرتا، اس کا دعویٰ ہے کہ ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق ملنا چاہیے کہ تمام انسان برابر تو ہیں مگر صلاحیتوں میں برابر نہیں ہیں ''Each according to his need'' لہٰذا اجتماعیت کو کم زور افراد کے لیے قربانی دینا چاہیے۔ اسلام کا اصول یہ ہے کہ اللہ کی پیدا کردہ مخلوق اور اس کے خاندان بنی آدم یعنی انسان کی خدمت ہر مسلمان کا فرض ہے، کیونکہ تمام انسان اللہ کا کنبہ ہیں: ''**الخلق عیال اللّٰہ**'' جو جس کے جتنا قریب ہے اس کی کفالت' اس کی اخلاقی، مذہبی اور شرعی ذمہ داری ہے۔ اگر کوئی کمانے کے قابل نہیں ہے تو کمانے والوں کی انفرادی، اجتماعی، گروہی، معاشرتی، خاندانی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے عزیز کا اور اجنبی کا بھی خیال رکھیں۔ اللہ تعالیٰ تو قیامت کے دن بندے سے پوچھے گا کہ میں بھوکا تھا، تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، میں پیاسا تھا، تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ جواب میں انسان کہے گا: اے اللہ! آپ کیسے بھوکے پیاسے ہو سکتے ہیں؟ تو جواب ملے گا: میرا فلاں بندہ بھوکا تھا، فلاں پیاسا تھا، تم نے اس کا خیال نہیں رکھا۔ اسلام اس نقطۂ نظر کا حامی ہے۔ حدیث میں ماں کی محبت کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کی محبت ستر ماؤں کی محبت سے زیادہ ہے، یعنی اللہ کی محبت کے لیے مثال دی گئی تو اس دنیا سے ماں کو منتخب کیا گیا۔ یہ کہانی ماں کی ایک نہایت گھناؤنی تصویر پیش کرتی ہے جو روایتی، مذہبی، الہامی اور اسلامی تہذیبوں کے تصورِ انسان، تصورِ عبد اور تصورِ مال کے صریحاً منافی ہے۔ یہ خالصتاً مغربی مادہ پرست ماں ہے جو پیسے کے لیے جیتی اور پیسے کے لیے مرتی ہے، اس کی زندگی کا مقصد محض مادی خوش حالی اور ترقی ہے، چونکہ احمق بیٹے نے اپنی حماقت سے ہی مادی خوش حالی کے دروازے اپنے اوپر کھول لیے تھے، لہٰذا وہ خوش ہوگئی۔ مزے کی بات یہ کہ جدیدیت ''modernism'' کے فلسفے اور فکر کے تحت تخلیق کردہ اس کہانی کی کتاب پر روایتی مختصر کہانیاں [Traditional Short Stories] لکھا گیا ہے، یہ محض دھوکہ ہے، تاکہ یہ بتایا جائے کہ ماضی بھی ایسا تھا اور عہدِ حاضر میں ہمارا حال بھی ایسا ہی ہے۔ **(جاری ہے)**

# حضرت مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

محمد اعجاز مصطفیٰ

۱۰رمحرم الحرام ۱۴۳۷ھ ،مطابق ۲۴؍اکتوبر ۲۰۱۵ء بروز ہفتہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے تلمیذ وشاگرد، حضرت اقدس مولانا حماداللہ ہالیجوی نور اللہ مرقدہٗ کے خلیفہ مجاز، جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی کے بانی و مہتمم حضرت مولانا عبدالواحد صاحبؒ اس دنیائے رنگ و بو کی ۸۶؍ بہاریں دیکھ کر عالم عقبیٰ کو روانہ ہوگئے، إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون، إن للّٰہ ماأخذ ولہٗ ماأعطی وکل شيء عندہٗ بأجل مسمّٰی۔

ہمارے اکابر و بزرگ ایک ایک کرکے اس دنیا سے جارہے ہیں اور جاتے جاتے بزبانِ حال یہ فرمارہے ہیں کہ:

یہ سرائے دہر مسافرو! بخدا کسی کا مکاں نہیں
جو یہاں مقیم تھے کل کے دن کہیں آج ان کا نشاں نہیں
یہ سرائے دہر قیام ہے یہ روا روی کا مقام ہے
جسے یہ خیال ہے خام ہے جو ثبات چاہو تو یاں نہیں
یہ مدام موسم گل کہاں کرے کوئی کیا گلۂ خزاں
یہ ستم ہے گردش آسماں بچے اس سے پیر و جواں نہیں
یہ ہر ایک قبر پہ بے کسی بزبانِ حال ہے کہہ رہی
تمہیں آنکھ چاہیے غافلو! مجھے احتیاجِ بیاں نہیں
جو مثال طوطے خوش بیاں دم گفتگو تھے گہر فشاں
وہ پڑے ہیں ایسے خموش یاں کہ دہن میں گویا زباں نہیں
وہ جہاں خلیل ہے بے بقا نہیں یاں بھروسہ حیات کا
وہ ہے کون باغِ جہاں میں گل چلی جس پہ بادِ خزاں نہیں

حضرت مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کے ضلع غازی پور کے ایک گاؤں شیخ پور

میں پیدا ہوئے، اپنے قرب وجوار کے علاقوں میں قرآن کریم حفظ کیا اور ابتدائی دینی کتب کی تعلیم حاصل کی، اس وقت غازی پور میں مدرسہ دینیہ علمائے فن کا مرکز تھا، جہاں آپ نے حضرت مولانا قاری عبیداللہ صاحبؒ سے کسب فیض کیا، بعد میں حضرت قاری عبیداللہ صاحبؒ غازی پور سے یوسف پور چلے گئے تو حضرت مولانا عبدالواحد صاحب جو طالب علم تھے اپنے استاذ کی ہمراہی کی۔ اس مدرسہ میں عربی پڑھنے والا ایک استاذ اور ایک شاگرد۔ وقت کی کوئی قید نہیں تھی، جب بھی موقع ملتا، تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا، استاذ اور شاگرد میں بے تکلفی بھی تھی، کبھی استاذ کھانا پکاتا اور شاگرد ہاتھ بٹاتا، کبھی شاگرد کھانا پکاتا تو استاذ ہاتھ بٹاتا، اس طرح موقوف علیہ تک تمام کتابیں اس استاذ پڑھیں، پھر اپنے استاذ کے حکم سے دارالعلوم دیوبند دورہ حدیث کے لیے تشریف لے گئے اور ۱۹۵۰ء میں دورہ حدیث مکمل کر کے آپ نے سند فراغ حاصل کی۔ ۱۹۵۴ء میں پاکستان تشریف لائے، جہاں آپ کے بڑے بھائی جناب عاشق الٰہی صاحب پہلے سے کراچی میں موجود تھے، آپ نے بھی کراچی میں سکونت اختیار کی، پھر تلاشِ مرشد میں ہالیجی شریف تشریف لے گئے، جہاں حضرت مولانا حماداللہ نوراللہ مرقدہٗ مسند آرا تھے، حضرت مولانا حماداللہ قدس سرہٗ کے ہاں زندگی بہت سادہ تھی۔ کھانا سادہ، اتنا سادہ کہ ہمارے دور کے متوسط گھرانوں میں اس کا تصور بھی مشکل ہے، آج کل کے لوگوں کے لیے اور کوئی مجاہدہ نہ ہو تو یہی مجاہدہ سخت ترین مجاہدہ ہے۔ حضرت مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ہم لوگ شہر کے رہنے والے، چٹپٹے، مسالے والے کھانوں کے عادی، ہالیجی شریف میں خانقاہ کا کھانا چند روز کھاتے تو منہ سے پانی چھوٹنے لگتا، لیکن یہ خانقاہ کی محبت تھی، ان کے جذباتِ باطن کی کشش تھی کہ ہفتوں بلکہ مہینوں اسی سادگی میں مست رہتے تھے، نام خدا کی حلاوت وہ تھی کہ ہر حلاوت ولذت سے بے نیاز کر رکھا تھا، وہاں کا کھانا کیا تھا، پھر سن لیجئے کہ آج دورِ تعیش میں یہ ایک نامانوس سی حکایت معلوم ہوتی ہے۔

حضرت کے یہاں بازار کی بنی ہوئی چیز ''شجرِ ممنوعہ'' تھی، نہ مٹھائی اور نہ کوئی اور چیز! خانقاہ میں اگر کوئی شخص بازار کی پکی اور بنی چیز لاتا تو آپ اسے قبول نہ کرتے اور نہ فقراء خانقاہ میں کسی کو کھانے کی اجازت دیتے، جو کچھ نان نمک ہوتا، وہیں حضرت کے گھر تیار ہوتا، پکانے والے بھی سب ذاکر وشاغل، صاحب تقویٰ وطہارت اور کھانے والے بھی پاک صاف قلب وزبان والے' باطنی احوال میں خود بخود ترقی ہوتی چلی جاتی، اوہام وخیالات اور ہجوم وساوس کا تو شاید وہاں گزر بھی نہ تھا۔ پیر خانقاہ کی شخصیت اتنی طاقت ور تھی کہ غبی اور بے استعداد سالک بھی نورِ معرفت سے منور ہو جاتا تھا۔

حضرت مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب مرشد کے ہاتھ میں ہاتھ دیا، تو اپنا سب کچھ دے دیا، ایک عالم خودفراموشی کا آپ پر طاری ہوگیا، کھانے، کپڑے، مکان اور سامانِ معیشت کا ہوش نہ رہا، دن رات ذکرِ الٰہی کی محویت رہتی تھی، اعزہ واقرباء کو افسوس ہوتا تھا کہ اتنا پڑھا لکھا عالم وفاضل نہ جانے کیا ہوگیا ہے کہ دیوانہ سا ہو رہا ہے، لیکن کسی کو کیا خبر کہ یہ دیوانگی کتنی مبارک تھی، ہزاروں فرزانگیاں اس پر قربان۔

حضرت مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید جناب اعجاز اعظمی صاحب لکھتے ہیں کہ: حضرت نے ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت والا سے تعلق ہونے کے بعد ان کی برکت سے عرصہ تک ذوق وشوق کی عجیب وغریب کیفیات رہیں، ہر وقت ایک سرشاری اور سرور کی کیفیت رہا کرتی تھی، لیکن اچانک جو کیفیت بدلی ہے تو سارا ذوق وشوق کافور، عجیب سی مہجوری کی کیفیت پیدا ہوگئی، ذکر وشغل کا سارا لطف جاتا رہا، طبیعت پریشان ہوگئی، اسی پریشانی میں خانقاہ شریف میں حاضری ہوئی، خدمت اقدس میں پہنچ کر بھی وہی افسردگی اور بے کیفی چھائی رہی۔ دل اپنے آپ میں نہ تھا، اسی بے قراری میں‘ میں نے حضرت کے پاؤں پر ہاتھ مار کر کہا کہ آپ سے میرا کوئی تعلق نہیں، نہ آپ میرے پیر نہ میں آپ کا مرید! حضرت نے نہایت سکون اور وقار سے جواب دیا:

بیٹا !حال را زوال مقام را دوام

یعنی یہ تو حال ہے، حال چلا جاتا ہے، لیکن جب وہ راسخ ہوکر مقام بن جاتا ہے، تو دائم رہتا ہے۔ ابھی تلوین ہے، بعد میں تمکین حاصل ہوگی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس جواب سے تسلی نہیں ہوئی، وہی بے چینی رہی، کچھ دنوں کے بعد میں نے اسی گستاخانہ انداز میں ہاتھ مار کر کہا کہ میرا آپ سے کوئی تعلق نہیں، نہ آپ میرے پیر نہ میں آپ کا مرید، یہ سن کر حضرت پر ایک کیفیت طاری ہوئی، حضرت ہمیشہ مجھ سے اردو میں بات کرتے تھے، مگر آج سندھی زبان میں ارشاد فرمایا:

پُٹڑ مخلوق ساں تعلق چھوٹ خالق ساں تعلق کر

’’بیٹا! مخلوق سے تعلق توڑ، خالق سے تعلق جوڑ‘‘ بس اتنا سننا تھا کہ ساری بے قراری کافور ہوگئی اور طبیعت ٹھہر گئی، ایک مقام سخت آیا تھا، مگر شیخ کی توجہ وکرم سے یہ گھاٹی پار ہوگئی۔

حضرت مولانا حماد اللہ قدس سرہٗ نے تکمیل سلوک کے بعد بیعت کی اجازت عطا فرمائی۔ حضرت اقدس ۱۹۵۴ء میں کراچی تشریف لے گئے، ۱۹۶۱ء میں آپ کے شیخ کا انتقال ہوا۔ اس چھ سات سال کے عرصہ میں حضرت اقدس بکثرت شیخ کی صحبت میں رہے اور اجازت سے سرفراز ہوئے۔

جناب اعجاز اعظمی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ: حضرت اقدس سے اس حقیر کو غالباً ۱۴۰۲ھ، مطابق ۱۹۸۲ء میں شرفِ ملاقات حاصل ہوا، غازی پور میں دو ماہ قیام رہا۔ سفر حضر، جلوت خلوت میں بکثرت ساتھ رہا۔ سب سے پہلی جو بات دل میں بیٹھی وہ حضرت کی رقتِ قلب اور بات بات پر آنسوؤں کا چھلک پڑنا تھا، اللہ کا ذکر آیا اور آنکھیں برس پڑیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ آیا اور دل بے تاب ہوا، اور یہ بے تابی آنکھوں کی راہ سے بہنے لگی۔ قرآن کریم کی تلاوت میں، نماز کے اندر رونے اور گریہ وزاری کے تذکرے بزرگوں کے حالات میں پڑھے تو بہت تھے، لیکن مشاہدہ بہت کم ہوا تھا۔ یہ حسرت، حضرت کو دیکھنے کے بعد پوری ہوئی۔ میں نے کراچی کے معمولات میں دیکھا کہ حضرت بعد نمازِ فجر بیٹھ جاتے تھے اور قرآن کی تلاوت زبانی حفظ سے شروع فرماتے، ایک دو

صاحب قرآن شریف کھول کر سنتے، قرآن کی تلاوت جاری ہے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہیں، آواز قدرے متاثر ہورہی ہے، کبھی اچھی خاصی گھٹ جاتی ہے، مگر نہ تلاوت کا تسلسل ٹوٹتا ہے، نہ آنکھوں کی روانی میں فرق آتا ہے۔ سننے والے بھی رونے لگتے، دو دو تین تین پارے سناتے اور روتے رہتے، مجھے رہ رہ کر قرآن کریم کی آیت یاد آتی، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''وَإِذَا سَمِعُوْا مَا أُنْزِلَ إِلٰى الرَّسُوْلِ تَرٰى أَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ۔'' (المائدۃ:۸۳)

''جب وہ لوگ اس کلام کو جو رسول پر اتارا گیا ہے، سنتے ہیں تو تم ان کی آنکھوں کو دیکھتے ہو کہ آنسوؤں سے بہہ پڑتی ہیں، کیونکہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے، ہم کو گواہوں میں لکھ لیجئے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوالِ مبارکہ میں بار بار یہ بات پڑھنے میں آتی ہے کہ قرآن پڑھتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے تھے، ایک امتی کی آنکھوں کو اس طرح بہتے دیکھ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد بے ساختہ دل کو تڑپا جاتی تھی۔ اس خاص انابت واستحضار کے ساتھ موقع موقع پر حضرت کی ذہانت وظرافت بھی جلوہ گر ہوتی رہتی تھی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا انداز اس ذہانت وظرافت کے امتزاج سے اس قدر پیارا ہوتا تھا کہ آدمی قربان ہوکر رہ جائے۔

ایک صاحب بوڑھے داڑھی مونچھ صاف حضرت کی خدمت میں اپنے پوتے کو گود میں لیے ہوئے حاضر ہوئے کہ حضرت! اسے دم کردیجئے، حضرت دم کرنے لگے، بے زبان بچہ اپنے دادا کے منہ پر ہاتھ مارتے ہوئے کچھ غوں غاں کررہا تھا، حضرت نے فرمایا کہ: آپ جانتے ہیں یہ کیا کہہ رہا ہے؟ کہہ رہا ہے: اَب ہم آگئے ہیں، سیٹ خالی کیجئے اور جانے کی تیاری کیجئے، داڑھی رکھ لیجئے۔ اب وہاں آخرت کے لحاظ سے رہئے، وہ صاحب بہت متاثر ہوئے اور وعدہ کیا کہ اپنے اندر تبدیلی لاؤں گا۔

ایک صاحب نے حضرت سے سوال کیا کہ مجھے تلاوتِ قرآن سے بہت شغف ہے، اگر میں سارے ذکر واذکار کو چھوڑ کر تلاوتِ قرآن پر ہی اکتفا کروں تو کیا حرج ہے؟ حضرت نے بے ساختہ فرمایا کہ: اگر آپ کہیں کہ میں تمام غذاؤں کو چھوڑ کر صرف گھی کھایا کروں تو کیا حرج ہے؟ اس پر حکیم اور ڈاکٹر کا جواب کیا ہوگا؟ بس وہ خاموش ہوگئے۔''

حضرت مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ کی نیکی اور تقویٰ ہی تھا کہ آپ کی تمام اولاد حفاظ اور علماء بنی جو آج بھی دوسرے مشاغل کے ساتھ اپنے والد کے لگائے گئے باغ ''جامعہ حمادیہ'' کی عمدہ انداز میں حفاظت وآبیاری کررہے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ مزید اُن کو ترقیات سے نوازیں اور اپنے والد ماجد کے لیے ان سب کو صدقہ جاریہ بنائیں، آمین۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقه سیدنا محمد وعلٰی آله وصحبه أجمعین

دَارُ الإفتاء

# ٹیلی نار کمپنی کی طرف سے اکاؤنٹ ہولڈر کو دی گئی سہولت

ادارہ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

میرے استعمال میں ٹیلی نار کمپنی کی سم ہے، ٹیلی نار کمپنی والوں نے اپنے کسٹمرز (صارفین) کو یہ سہولت فراہم کی ہے کہ جو بھی کسٹمر اپنی ٹیلی نار کی سم پر اپنا اکاؤنٹ ٹیلی نار کمپنی کے تحت کھلوانا چاہتا ہے، تو کمپنی کی طرف سے اس کو ماہانہ ۱۸۰۰ (اٹھارہ سو) مفت منٹ اور ۵۰۰/ انٹرنیٹ M.B (ایم. بی) بھی دیئے جاتے ہیں، بشرطیکہ کسٹمر (صارف) پہلے ٹیلی نار کمپنی میں ۲۰۰۰/ (دو ہزار روپے) جمع کرائے۔

جبکہ اس کے مذکورہ ۲۰۰۰/ (دو ہزار روپے) کمپنی والوں کے پاس امانت کے طور پر رہیں گے، جب کبھی یہ اپنا اکاؤنٹ ختم کرنا چاہے تو اس کو ۲۰۰۰/ (دو ہزار روپے) دیئے جائیں گے، اب آیا یہ صورت جائز ہے یا اس میں ربا کی آمیزش بھی شامل ہے؟ مستفتی: محمد ولی، کراچی

## الجواب حامدًا ومصليًا

صورتِ مسئولہ میں ٹیلی نار کمپنی کی جانب سے اپنے کسٹمرز (صارفین) کو دی گئی مذکورہ سہولت (جس کا سوال میں ذکر ہے) سے فائدہ اٹھانا شرعاً ناجائز ہے، اس لیے کہ کسٹمر (صارف) دو ہزار روپے کمپنی میں بطور امانت جمع کرواکر کمپنی کے تحت اپنا اکاؤنٹ کھولتا ہے جس پر کمپنی' موبائل اکاؤنٹ میں دو ہزار روپے بیلنس ظاہر کرتی ہے جو کہ قرض کی رسید کے حکم میں ہے، لہٰذا دو ہزار روپے جمع کروانے کی شرط پر کمپنی کا اپنے صارف کو ماہانہ ۱۸۰۰ (اٹھارہ سو) فری منٹ، ۵۰۰ (پانچ سو) M.B انٹرنیٹ وغیرہ کی فراہمی قرض پر نفع دینا ہے، جو کہ شریعت کی نگاہ میں سُود ہونے کی وجہ سے جائز نہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔'' (البقرۃ: ۲۷۵)

فتاویٰ شامی میں ہے:

''وفي الأشباه: كل قرض جر نفعًا حرام۔'' (فتاویٰ شامی، ج: ۵، ص: ۱۶۶، ط: سعید)

البحر الرائق میں ہے:

''ولايجوز قرض جر نفعًا۔'' (البحر الرائق، ج: ۶، ص: ۱۲۲، ط: سعید)

| | | |
|---|---|---|
| الجواب صحیح | الجواب صحیح | کتبہ |
| محمد انعام الحق | شعیب عالم | عبدالرزاق |

متخصص فقہ اسلامی، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن